ماہنامہ

# انذار

# Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

اپریل ۲۰۲۰

www.inzaar.pk

April 2020
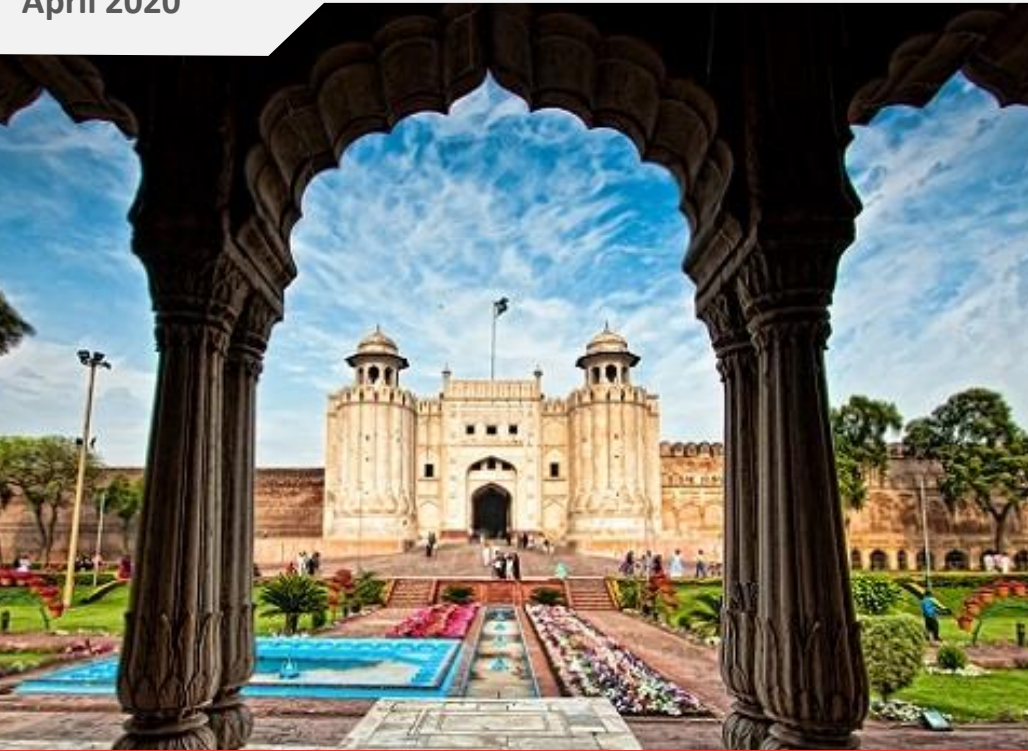
ماضی کو دیکھتے رہنا نادانی    حال کو دیکھنا مجبوری

اور مستقبل کو دیکھنا دانشمندی کی علامت ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

**www.inzaar.org**

**www.inzaar.pk** (Urdu Website)

**Join us on twitter** @AbuYahya_inzaar

**Join us on Facebook**

**Abu Yahya's Official Page**: facebook.com/abuyahya.inzaar

**Inzaar Official Page:** facebook.com/inzaartheorg

**Join us on YouTube** youtube.com/inzaar-global

**WhatsApp** Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

# وہی رہ گزر

## تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا دلچسپ، علمی و فکری سفرنامہ

قارئین کی خدمت میں تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا سفرنامہ "وہی رہ گزر" پیش خدمت ہے۔اس بندہ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے جو دماغ دیا ہے وہ سوچتا رہتا ہے اور جو طبیعت عطا کی ہے وہ چیزوں سے نتائج اخذ کرتی رہتی ہے۔ایک بندے کو اللہ تعالیٰ اگر درست زاویہ نظر عطا کردے تو پھر اسے ہر ملک خدا کا ملک نظر آتا ہے اور ہر جگہ سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے۔یہی صورتحال قارئین تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کے اس سفرنامے میں پائیں گے۔

یہ سفرنامہ روداد سفر کے ساتھ افکار و خیالات کا ایک مجموعہ ہے۔فکر و سفر کی اس روشنی میں قارئین بہت سی ایسی حقیقتیں دیکھیں گے جو گھر بیٹھے دیکھنا آسان نہیں ہے۔"وہی رہ گزر" کی شکل میں یہ روشنی ان قارئین کی نذر ہے جو زندگی کو ایک سفر اور آخرت کو اس کی منزل مان کر جیتے ہیں۔

ابو یحییٰ

---

ماہنامہ

# اِنذار

اپریل 2020ء شعبان/رمضان 1441ھ

جلد 8 شمارہ 4





فی شمارہ ـــ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201 , 0312-2099389
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

# بادشاہ اور اطاعت

انسان کو اس دنیا میں جو نعمتیں دی گئی ہیں، ان میں سے ایک بنیادی نعمت انسان کا صحت مند جسم ہے۔ یہ صحت مند جسم انسانوں کی غالب ترین اکثریت اس دنیا میں لے کر آتی ہے۔ عمر بھر ہمارے ہاتھ، پاؤں، انگلیاں، آنکھیں، زبان، دانت اور ان جیسے دیگر تمام اعضا، جوڑ و بند بے چوں و چرا ہمارا حکم بجالاتے ہیں۔ ہم جب چاہیں بولتے ہیں اور جب چاہتے ہیں خاموش ہو جاتے ہیں۔ ہم جب چاہیں کھڑے ہوتے اور جب چاہیں چلنے اور بیٹھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ جب چاہیں آنکھیں کھولتے ہیں اور جب چاہیں بند کر لیتے ہیں۔

یہ سب کچھ اسی وجہ سے ممکن ہے کہ ہمارا جسم پوری طرح ہماری تابعداری کرتا ہے۔ گویا ہم ایک بادشاہ ہیں اور جسم ہماری رعایا جو بلا ہچکچاہٹ تمام عمر ہمارے فرامین پر عمل کرتا رہتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار یہ جسم یا کوئی عضو ہماری بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ کبھی گلہ بیٹھ جاتا ہے تو آواز بند ہو جاتی ہے۔ بخار ہو جائے تو جسم میں معمولات سرانجام دینے کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔

یہ اور ان جیسے تمام مواقع ہمیں یہ یاد دلاتے ہیں کہ گرچہ ہم بادشاہ ہیں، مگر ہمارے اوپر ایک اور بادشاہ ہے۔ یہ اسی کی عطا ہے کہ ہمارا جسم پوری طرح ہمارا تابعدار ہے۔ وہ جب چاہے ہمارا جسم ہماری اطاعت سے انکار کر دے۔ چنانچہ شکر گزاری کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اپنے مالک کی اطاعت کرتے ہوئے اپنی زندگی گزاریں۔ جس طرح ہمارے پاؤں ہمارا ارادہ ہوتے ہی چلنا شروع کر دیتے ہیں اور جب ہم چاہیں رک جاتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہمیں بھی اپنے مالک کے ہر حکم پر رکنا اور چلنا، بولنا اور چپ رہنا، دیکھنا اور نگاہ ہٹانا سیکھنا ہوگا۔

جس شخص نے جسم کی طرح اپنے مالک کی اطاعت کا ہنر سیکھ لیا وہ عنقریب فردوس بریں میں ابدی طور پر بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ دوسری صورت میں جہنم کا قید خانہ ہمارا منتظر ہوگا۔

# فرشتے اور شیاطین

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین ہر انسان پر حملہ کرتے ہیں۔مگر جو لوگ خدا کی یاد میں جیتے اور اس کی پناہ مانگتے رہتے ہیں، انھیں شیاطین سے تحفظ دے دیا جاتا ہے۔ایسے لوگ کبھی اپنی کسی کمزوری کی وجہ سے پھسل جائیں تو خدا کے فرشتے انھیں توبہ کی طرف مائل کرتے ہیں۔ یوں یہ لوگ خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

اس کے برعکس جو لوگ شیاطین کے وسوسوں پر اپنے ضمیر کی آواز سننے کے بجائے، اپنی نفسانی خواہشات کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، شیاطین رفتہ رفتہ ان کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں پسندیدہ بنا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ کسی بھی توجیہ، تاویل، عذر اور مجبوری کا بہانہ بنا کر برائی کو اپنی زندگی بنا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ خود شیطان بن جاتے ہیں اور پھر دوسرے انسانوں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔مگر اس رویے کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

فرشتوں اور شیطانوں کی یہ جنگ ہم میں سے ہر شخص کی زندگی میں لڑی جارہی ہوتی ہے۔ برائی کا ہر وسوسہ شیاطین کی طرف سے آتا ہے۔نفسانی خواہشات شیطان کے ایجنٹ کا کام کرتی ہیں۔فواحش، برائی اور ظلم کا طریقہ شیطان کی دعوت ہے۔فرشتے نیکی کی راہ کی طرف پکارتے ہیں۔ ہمارے اندر ضمیر یا نفس لوامہ فرشتوں کا ساتھی ہے۔ بندگی، عدل، احسان، مخلوق کی خدمت فرشتوں کی دکھائی ہوئی راہیں ہیں۔اب یہ فیصلہ ہم نے کرنا ہوتا ہے کہ ہم نے کس کی آواز پر لبیک کہنا ہے اور کس کے راستے پر چلنا ہے۔

ہم شیطان کے وسوسوں پر لبیک کہیں گے تو اس کے ساتھ ہم جہنم میں جمع کیے جائیں گے۔ اور فرشتوں کی پکار کا جواب دیں گے تو جنت میں ان کے سلام کے مستحق ہوں گے۔اپنے انجام کا فیصلہ کسی اور کو نہیں، ہمیں خود کرنا ہے۔

# میرا جسم میری مرضی اور سونامی

دنیا کی خوش نصیب ترین قوم وہ ہوتی ہے جس کی فکری قیادت جذباتی اور سطحی باتوں سے بلند ہو۔ وہ حالات حاضرہ میں جینے کے بجائے تاریخ اور سماج کا گہرا شعور رکھتی ہو۔ وہ بلبلوں کی طرح بننے اور مٹنے والے وقتی ایشوز جیسے میرا جسم میری مرضی کے بجائے اس سونامی پر نظر رکھتے ہوں جو ہزاروں میل دور آنے والے زلزلے کے گزرنے کے بعد آتا ہے اور بے خبری میں سوئی ہوئی پوری بستی کو بہا کر لے جاتا ہے۔

الیکٹرونک میڈیا پر اپنا کام دھندا اور سوشل میڈیا پر شغل کرنے والوں کو ہر ہفتے دس دن بعد ایک ایشو چاہیے ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں ہر کچھ عرصے بعد ایک ایشو اٹھ جاتا ہے اور عوام الناس کو تو چھوڑیے سنجیدہ اہل دانش بھی اس پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں۔ ان پر الزام اس لیے نہیں کہ انفارمیشن بمبارٹمنٹ کے اس دور میں ریٹنگ اور ریڈرشپ اس کے بغیر نہیں ملتی۔ ہمارے نزدیک اہل دانش کی ذمہ داری اس سے کہیں زیادہ ہے۔

اہل دانش کسی قوم کے لیے ماں باپ کی طرح ہوتے ہیں۔ انھیں اچھے والدین کی طرح بچوں کو ان کی پسند کی ٹافیاں دینے سے زیادہ ان کی اعلیٰ تعلیم اور مستقبل کے لیے متفکر رہنا چاہیے۔ انھیں حالات حاضرہ کے بلبلوں کو نمایاں کرنے کے بجائے مستقبل کے سونامیوں کے لیے متفکر رہنا چاہیے۔ اس لیے دل تھام کر آنے والے سونامی کی کچھ تصویریں دیکھ لیں۔

انیسویں صدی میں جدید دنیا میں ایک بہت بڑی تبدیلی آئی تھی۔ وہ یہ کہ صدیوں سے جاری وہ دور ختم ہو گیا تھا جس میں عقیدے، مذہب اور خدا کو انسانی زندگی کا مرکزی مقام حاصل تھا۔ نئے دور میں خدا کی جگہ خود انسان نے لے لی تھی جس نے مذہب کے بجائے آزادی کو سب سے بنیادی قدر مان لیا۔ ہمارا معاشرہ چونکہ اس عرصے میں زرعی دور میں جی رہا تھا اس لیے ہم تک اس تبدیلی کے اثرات نہیں پہنچے ماسوا اشرافیہ کے ایک محدود طبقے کے۔ مگر مجموعی معاشرتی

مزاج کی بنا پر ان کی تبدیلی بھی ان تک ہی محدود رہی۔

مگر تیس سال قبل دنیا انفارمیشن ایج میں داخل ہوئی اور اگلے بیس برسوں میں ایج آف آٹومیشن میں جانے والی ہے۔اس کے نتیجے میں انسانی تاریخ کی سب سے بڑی سماجی تبدیلی جنم لے رہی ہے اور لینے والی ہے۔ دنیا اب حقیقی معنوں میں گلوبل ویلج بن چکی ہے۔وقت کے غالب تصورات وخیالات سرحدوں سے بے نیاز دنیا کے ہر بیڈروم اور ہر شخص تک پہنچ رہے ہیں۔ وقت کی غالب تہذیب کے مقبول تصورات اب ہماری اگلی نسلوں کی ذہن سازی کررہے ہیں نہ کہ ہمارے اپنے دانشور اور مذہبی رہنما۔ ہماری نئی نسل خاص کر وہ کلاس جس کے ہاتھ میں بہتر تعلیم کی بنا پر مستقبل کی باگ دوڑ آئے گی؛ ہماری زبان سے، ہمارے رسم الخط سے، ہماری اقدار سے بالکل بے گانہ ہورہی ہے۔

کوئی ہماری فکری و مذہبی قیادت کی بات سن بھی رہا ہے تو ان کی بات اس دور میں بالکل غیر متعلق ہوچکی ہے۔انھوں نے جن باتوں کو دینداری کی علامت بنا کر پیش کیا تھا وہ جدید نسل کے لیے بالکل اجنبی چیزیں بن چکی ہیں۔عورت کا دائرہ کار الگ ہے،عورت کو پارلیمنٹ میں نہیں آنا چاہیے،عورت ڈرائیونگ نہیں کرسکتی،عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے،مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں ہے؛ یہ اور ان جیسے اور دیگر تصورات جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے لایعنی ہوچکے ہیں۔ہم نے موضوع کے حوالے سے چند مثالیں دی ہیں ورنہ جس جس چیز کو دین کی علامت بنا کر پیش کیا گیا تھا، ان میں سے ہر چیز کا یہی معاملہ ہے۔آنے والی ایج آف آٹومیشن میں ان تمام معاملات میں بالعموم اور خواتین کے حوالے سے بالخصوص یہ صورتحال اور زیادہ نمایاں ہوجائے گی۔

بہت جلد وہ وقت آ رہا ہے کہ دین کی بنیادی ایمانیات اور دین کی پوری شریعت پر بہت بڑے پیمانے پر سوالات پیدا ہونے جارہے ہیں۔ایسے میں نہ زور کام آئے گا، نہ زبردستی، نہ

چلانا کام آئے گا، نہ چیخنا۔ اس سونامی کے بعد ہماری تہذیب اوراقدار کا کیا ہوگا، یہ ہم نہیں جانتے۔ البتہ دین اسلام چونکہ خدا کا دین ہے، اس لیے اس نے اپنے دین کی حجت اور برتری قائم رکھنے کا انتظام پہلے ہی کر دیا ہے، وہ ہم بیان کر دیتے ہیں۔

انتظام یہ ہے کہ قرآن مجید جو تا قیامت ہدایت اور رہنمائی ہے، اس کی بنیاد پر دین کے استدلال، اس کی شریعت، اس کی اصل تعلیم یعنی ایمان و اخلاق کو بعینہٖ اس شکل میں واضح کر دیا ہے جس شکل میں اسے نازل کیا گیا تھا۔ جو شخص اپنے تعصّبات اور خواہشات سے بلند ہو کر خدا کی بات جاننا چاہتا ہے وہ تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ٹھیک بات تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کو ہم فکر اسلامی کی اصل شکل میں بحالی یا معاصر اصطلاح میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید کہہ سکتے ہیں۔

جو کام ہمارے اہل دانش کو اب کرنا ہے وہ یہ کہ مغرب نے اپنے تصورات کی روشنی میں جس طرح نئی تہذیبی اقدار کو جنم دیا ہے اور انھیں دنیا بھر کے سامنے حق کے طور پر پیش کیا ہے، وہ بھی اپنی تہذیبی اقدار کی تشکیل جدید کریں۔ ہم نے اوپر جن چیزوں کا خواتین کے حوالے سے ذکر کیا، وہ مذہب نہیں تھا، وہ مسلمانوں کی قدیم تہذیبی روایات تھیں جنھوں نے زرعی دور میں جنم لیا تھا۔ اب ضرورت ہے کہ اسلامی تہذیب کی تشکیل جدید کی جائے۔ اس کے لیے بنیادی اصول یہ نہیں کہ قدیم تہذیبی تصورات کا دفاع کیا جائے۔ اس راہ کا انجام یقینی شکست ہے۔

اصل اصول یہ ہے کہ دین کی بنیادی اقدار کو متعین کیا جائے اور صرف ان کے فروغ اور تحفظ کو پیش نظر رکھا جائے۔ اس کے بعد عملی زندگی کے تقاضوں اور نئے دور کی ضروریات کے مطابق اقدار کی جو بھی شکل عہد جدید میں سامنے آئے گی، وہ اسلامی تہذیب کی علامت ہوگی۔ ورنہ دوسری صورت میں قدیم روایات کو بچاتے بچاتے، ہم نئی نسل کو دین کی اصل تعلیم سے بھی بے گانہ کر دیں گے۔

# یتیم قوم

بعض بچے پیدائش کے ساتھ ہی یتیم ہو جاتے ہیں۔ پاکستانی قوم کا معاملہ بھی یہی ہے۔ یہ قوم اپنی پیدائش کے فوراً بعد ابتدائی قائدین کے رخصت ہو جانے سے یتیم ہو گئی تھی۔ اس کے بعد اس قوم کے ساتھ وہی ہوا جو بے درد زمانے میں یتیموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ قوم کے دو سگے بھائیوں کو ظالم زمانے نے جدا کر دیا اور مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس علیحدگی کے ساتھ بنگلہ دیشی قوم کی یتیمی ختم ہو گئی۔ اسے وہ قائدین مل گئے جنھوں نے اسے سیاسی استحکام دینے کے علاوہ آج اسے اس خطے کی سب سے تیز ترقی کرنے والی معیشتوں میں شامل کر دیا۔

دوسری طرف پاکستانی قوم اسی یتیمی کی بنا پر اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے کسی نہ کسی بحران کا شکار رہی ہے۔ مستقل سیاسی عدم استحکام، مارشل لا حکومتوں، آئین کی منسوخی و معطّلی، منتخب وزرائے اعظم کی برطرفی سے لے کر معاشی بحرانوں، غربت، بے روزگاری، مہنگائی کے ہاتھوں عام آدمی کی پامالی، کرپشن کی ترقی، اخلاقی پستی اور تعلیمی میدان میں زبوں حالی تک ہر خرابی کا ہمیں سامنا کرنا پڑا ہے۔

تاہم یہی وہ ملک ہے جس کے تمام ادارے ماشاءاللہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔ پاکستان میں وزرائے اعظم، اراکین سینٹ و قومی اسمبلی اور دیگر عہدیداران کی تنخواہیں بدترین معاشی بحرانوں کے دور میں بھی بڑھتی رہی ہیں اور ان کا استحقاق و حق مراعات بھی قائم رہتا ہے۔ یہی معاملہ عدلیہ، مقتدرہ، انتظامیہ اور جاگیرداروں اور صنعتکاروں کا رہا ہے کہ سب کی مراعات، تحفظ اور ترقی کا سلسلہ کسی دور میں نہیں رکا۔ کبھی کسی کو نقصان ہوا تو باہمی چپقلش کی شکل میں ہوا ورنہ تو ایک بدحال قوم کے یہ طبقات ہمیشہ ہر خرابی سے محفوظ رہے ہیں۔ اس کا سبب ظاہر

ہے کہ یہی ہے کہ ان میں سے کوئی یتیم نہیں ہے۔ یہ اپنے مفادات کا پورا شعور رکھتے ہیں اور ان کی اولین ترجیح اپنے مفادات کا تحفظ ہے۔ یہ صرف پاکستانی قوم ہے جس کا کوئی والی وارث نہیں ہے نہ کوئی اس کے مفادات کا تحفظ کرنے والا ہے۔

پاکستانی قوم کے یتیم ہونے کا سبب یہ نہیں تھا کہ قائداعظم یا دیگر بانیان پاکستان کا انتقال ہوگیا تھا۔ قوموں کے لیڈر فانی ہی ہوا کرتے ہیں۔ اصل میں یہ قوم کے اندر ایک قوم ہونے کا احساس ہوتا ہے جو اسے ایک کے بعد دوسرا لیڈر عطا کر دیتا ہے۔ مسلمانوں میں ایک قوم ہونے کا احساس سب سے پہلے جس شخصیت نے پیدا کیا وہ سرسید احمد خان تھے۔ انھوں نے یہ احساس پیدا کرنے کے ساتھ لوگوں میں قومی درد بھی پیدا کیا۔ اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے علی گڑھ کی شکل میں جو تعلیمی تحریک شروع کی اس نے برصغیر میں صف اول اور صف دوم کے ایسے لیڈروں کی ایک پوری کھیپ پیدا کر دی جن میں قومیت کا احساس زندہ تھا۔ ان میں فکری سطح پر سب سے نمایاں نام علامہ اقبال کا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ پاکستان اقبال ہی کا فکری پروڈکٹ ہے۔

بدقسمتی سے بعد میں آنے والے لیڈروں نے اس قوم کی ذہانتوں کو عالم اسلام کے مسائل کے پیچھے لگا دیا یا پھر ذیلی قومیتوں کے مفادات کے تحفظ میں الجھا دیا۔ عملی سطح پر بھی کوئی لیڈر ایسا نہیں اٹھا جو سرسید کی طرح تعلیم کے میدان کو اپنی توانائی کا مرکز بنا کر ان میں قومی درد پیدا کرتا۔ ان کی سیرت و اخلاق کو بہتر بناتا یا ان کے علمی اور فکری شعور کو بلند کرتا۔ یہ صورتحال آج کے دن تک نہیں بدلی ہے۔ اب صرف یہ ہوا ہے کہ پہلے ہمارے لیڈر جس باہمی تصادم کو زبان، نسل اور صوبائی بنیادوں پر فروغ دے رہے تھے، اب اسے مختلف طبقات اور اداروں کی باہمی نفرت کی شکل میں فروغ دیا جا رہا ہے۔ پہلے تصادم کا نتیجہ پاکستان کی تقسیم اور صوبائی منافرت کی شکل میں نکلا تھا۔ جبکہ دوسرے تصادم کا نتیجہ پہلے سے بھی زیادہ برا نکلے گا۔

اس آنے والی تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔قومی شعور اور درد رکھنے والے کچھ لوگ سرسید کی طرح ایک دفعہ پھر تعلیم کا راستہ اختیار کرلیں۔ وہ لوگوں میں قومی درد پیدا کریں۔ وہ ان کے اخلاق اور سیرت کی تعمیر کریں۔ وہ لوگوں کو باہمی جنگ وجدل سے نکال کر قومی تعمیر کے راستے پر ڈالیں۔قومیتوں اور اداروں کی جنگ میں نوجوانوں کو الجھانے کے بجائے انھیں تعلیم اور کردار کے زیور سے آراستہ کریں۔

ہمیں سرسید کے مذہبی خیالات سے کوئی اتفاق نہیں۔لیکن قومی خدمت کے پہلو سے ہم انھیں برصغیر کا سب سے بڑا مسلم لیڈر سمجھتے ہیں۔ وہ نہ ہوتے تو آج برصغیر میں مسلمانوں کا کوئی علیحدہ وطن نہ ہوتا۔کوئی اقبال ہوتا نہ کوئی محمد علی جناح پیدا ہوتا۔ ہندوستان میں مسلمان دلتوں سے بھی بدتر حالت میں زندگی گزار رہے ہوتے۔

آنے والے دنوں میں انسانیت ایک نئے دور میں داخل ہورہی ہے۔انفارمیشن ایج، ایج آف آٹومیشن میں بدلنے جارہی ہے۔اس کے نتیجے میں آنے والے دنوں میں دنیا مکمل طور پر بدلنے والی ہے۔ اگلے بیس برسوں میں ایک نئی عالمی غلامی اور بدترین معاشی استحصال کا دور شروع ہونے جارہا ہے۔اگر ہم نے آج کوئی سرسید پیدا نہیں کیا اور کسی طرح آنے والے دنوں میں ہمارا قومی وجود باقی بھی رہ گیا تو غلامی اور استحصال کی ایک نئی قسم کے سوا کوئی اور چیز ہماری منتظر نہیں ہے۔ یہ نوشتۂ دیوار ہے۔اس نوشتۂ دیوار کو کوئی سرسید ثانی ہی مٹا سکتا ہے۔ورنہ ایک یتیم قوم کو غلامی اور استحصال کی بدترین قسم کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

-------------------

# دردمند پاکستانیوں کے نام کھلا خط

السلام علیکم

دو برس پہلے میں نے ایج آف آٹومیشن اور اسلام کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا اور پھر اس موضوع پر ملک کے مختلف شہروں میں لیکچر بھی دیے تھے۔ یہ اس آنے والے دور کا بیان تھا جس کے دہانے پر آج دنیا کھڑی ہے اور جس تک اے آئی، روبوٹکس، جینیٹک سائنس، نینو ٹیکنالوجی، تھری ڈی پرنٹنگ اور اس طرح کی سائنسی ترقیوں نے انسانیت کو پہنچادیا ہے۔ میں نے انسانی تاریخ کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہوئے اس آنے والے دور کے مذہبی اثرات کو بیان کیا تھا۔ جبکہ معاشی، سیاسی اور معاشرتی اثرات کو بہت اختصار سے بیان کیا تھا لیکن یہ توجہ دلادی تھی کہ ان پہلوؤں سے ہمارے لیے یہ دور بہت مشکلات لے کر آرہا ہے اور اس کی ذمہ داری کسی اور پر نہیں بلکہ اس کا سبب علم و اخلاق میں ہمارا دنیا سے پیچھے رہ جانا ہوگا۔

اس نئے دور کے پاکستان جیسے ملکوں پر کتنے تباہ کن اثرات ہو سکتے ہیں، اس پر حال ہی میں معروف تاریخ دان اور فلسفی نوح ہراری نے ورلڈ اکنامک فورم ڈیووس میں گفتگو کرتے ہوئے بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ نوح ہراری کے بہت سے خیالات سے ہمیں اتفاق نہیں لیکن ان کی اس تقریر میں بہت اہم نکات اٹھائے گئے ہیں۔ وہ تفصیل سے یہ بتاتے ہیں کہ آنے والے دور میں ہماری جیسی اقوام کو کس طرح کی غلامی، جبر اور محرومی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قوم کا درد رکھنے والے ہر شخص کو یہ تقریر ضرور سننی چاہیے۔ ہم نے اگر ابھی بھی ہوش کے ناخن نہیں لیے اور قومی معاملات میں اپنی ترجیحات کو نہیں بدلا تو اکیسویں صدی کے ڈیٹا کالونیل ازم میں ایک نئی غلامی ہماری منتظر ہوگی اور پھر تا قیامت کوئی ہمیں اس غلامی سے نجات نہیں دلا سکے گا۔ ہماری موجودہ نسل میں ہمارے لیے سنبھلنے کا آخری موقع ہے۔ ابھی بھی وقت ہے کہ سوتا ہوا کچھوا نیند

سے جاگ جائے اور دوڑتے ہوئے خرگوش سے مقابلے کے لیے اٹھے۔ مگر ہم ابھی بھی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے اور سیاسی اور مذہبی انتہا پسندی کا راستہ چھوڑ کر علم و اخلاق کی دنیا میں جگہ بنانے کی کوشش نہیں کی تو اس نسل کے ساتھ یہ موقع ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

میرے لیکچر کا لنک درج ذیل ہے۔

https://www.youtube.com/watch?v=_1-8q-8PtwQ

نوح ہراری کی ڈیووس میں حالیہ تقریر کا لنک درج ذیل ہے۔

https://www.youtube.com/watch?v=gG6WnMb9Fho

اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔

بندہ عاجز

ابو یحییٰ

---

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی بندوں کی غیبت کیا کرتے تھے) اور ان کی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔ (ابی داؤد)

یووال نوح ہراری/ عادل عطا

# اکیسویں صدی کا سب سے بڑا چیلنج

[۲۳ جنوری، ۲۰۲۰ کو سوئٹزر لینڈ کے شہر ڈیووس میں عالمی اقتصادی فورم کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں دورِ حاضر کے مشہور فلسفی اور تاریخ دان یووال نوح ہراری بھی مدعو تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں اکیسویں صدی میں درپیش ان مسائل کی طرف توجہ دلائی جن کا تعلّق انسانیت کی بقا سے ہے۔ انذار کے قارئین کے لیے ان کی تقریر کا ترجمہ وخلاصہ پیش کیا جارہا ہے جس میں ان مسائل کو خاص طور پر واضح کیا جائے گا جن کا تعلّق ہمارے جیسے معاشروں سے ہے۔ یہ تلخیص وترجمہ جناب عادل عطا نے کیا ہے۔]

اکیسویں صدی میں انسان کو جن بیشتر مسائل کا سامنا ہے، ان میں سے تین خطرات ایسے ہیں جن کا تعلّق انسانیت کی بقا سے ہے: جوہری جنگ (nuclear war)، ماحولیاتی بگاڑ (ecological collapse) اور ٹیکنالوجی کا انتشار (Technological disruption)۔ پہلے دو خطرات سے تو لوگ بالعموم واقف ہیں، لہٰذا آج میں ٹیکنالوجی سے پیدا ہونے والے خطرات پر روشنی ڈالوں گا۔

اس فورم پر کئی مرتبہ یہ بات دہرائی گئی کہ ٹیکنالوجی کس طرح ایک نئی دنیا تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے جو کہ ایک حقیقت ہے۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہی ٹیکنالوجی انسانی معاشروں کو بیشتر نئے مسائل سے بھی دوچار کرسکتی ہے جن میں ایک عالمی ناکارہ طبقے کے پیدا ہوجانے سے لے کر ڈیٹا کولونیل ازم (data colonialism) اور ڈیجیٹل آمریت (Digital Dictatorship) جیسے سنگین مسائل شامل ہیں۔

ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہمیں سب سے پہلے معاشی اور معاشرتی سطح پہ مسائل کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ آٹومیشن (Automation) کے نتیجے میں بہت سے پرانے پیشے ختم ہو جائیں اور نتیجتاً بے روزگاری پھیلے۔ اگرچہ اس کے بعد بہت سے نئے پیشے اور ہنر وجود میں آئیں گے، البتہ انہیں مقررہ مدّت میں سیکھنا انسان لیے کتنا ممکن ہوگا، یہ کہنا انتہائی مشکل ہے۔ مثال کے طور پہ جب ایک ۵۰ سالہ ٹرک چلانے والا سیلف ڈرائیونگ وہیکل (Self Driving Vehicle) کے آ جانے سے بے روزگار ہو جائے گا، تو کیا اس کے لیے کوئی دوسرا ہنر سیکھ کر نئے سرے سے شروعات کرنا ممکن ہوگا؟ پھر ایسا نہیں ہے کہ آٹومیشن ایک حادثہ ہے جو ایک بار پیش آ گیا اور پھر آہستہ آہستہ چیزیں دوبارہ اپنے توازن پہ آ جائیں گی۔ اس کے برعکس وقتاً فوقتاً نئے ہنر پیدا ہوں گے اور ختم ہو جائیں گے، اور ان کی جگہ دوسرے نئے ہنر لے لیں گے۔ لہٰذا اس سب کے نتیجے میں عالمی سطح پر بے روزگاری پھیلے گی اور ایک عالمی ناکارہ طبقہ وجود میں آئے گا جو معاشی اعتبار سے بالکل غیر متعلق (irrelevant) ہوگا۔ بالآخر جو لوگ اپنے آپ کو اس طرح irrelevant ہونے سے نہیں بچا پائیں گے، ان کے اور دوسروں کے درمیان ایک کبھی نہ ختم ہونے والا سماجی امتیاز پیدا ہو جائے گا۔

مزید یہ کہ ٹیکنالوجی صرف انسانوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ ملکوں کے درمیان بھی ایک غیر معمولی امتیاز پیدا کر دے گی۔ انیسویں صدی میں جو ممالک، جیسا کہ برطانیہ اور جاپان، صنعتی دوڑ میں دوسرے ممالک سے آگے نکل گئے تھے انہوں نے بالآخر دوسری اقوام پہ قبضہ کیا اور ان کا استحصال کیا۔ بالکل اسی طرح آج اے آئی (AI) جیسی ٹیکنالوجیز میں آگے نکل جانے والی اقوام کو بھی نہ صرف دوسری اقوام پر غیر معمولی برتری حاصل ہوگی بلکہ ان کے استحصال کا بھی بھرپور موقع حاصل ہوگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ امریکا اور چین جیسے ممالک پہلے ہی اے آئی ہتھیار

بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔ اے آئی کے ذریعے چند ممالک کو حاصل ہونے والی یہ انتہائی غیر متوازن برتری آج سے تیس یا پچاس سال بعد وینزویلا، برازیل، انڈیا اور انڈونیشیا جیسے دوسرے ممالک کے لیے کیسی خطرناک صورتحال پیدا کر دے گی اس کا اندازہ لگانا بہت ضروری ہے۔

ٹیکنالوجی کا انقلاب پیچھے رہ جانے والے ممالک کے لیے مزید دشواریاں پیدا کر دے گا۔ ذرا سوچیں، جب ترقی پذیر ممالک میں ہونے والا لیبر ورک (Labor Work) بھی اے آئی اور آٹومیشن کے نتیجے میں ترقی یافتہ ممالک میں ہونے لگے گا تو تیسری دنیا کے ممالک پہ اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ پھر محض یہی نہیں، امیر ممالک غریب ممالک کی سیاست پر بھی بری طرح اثر انداز ہوں گے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر مکمّل طور پر حاوی ہو جائیں گے۔ ذرا سوچیں، جب ترقی یافتہ ممالک کو پسماندہ ملک کے ہر فرد کے تمام معاملات کی خبر ہو گی جن میں صحت اور کرپشن کے معاملات سے لے کر ہر نوعیت کے ذاتی معاملات بشمول جنسی رجحانات اور ذہنی استعداد شامل ہوں گے تو اس ملک کے سیاست دانوں، صحافیوں، ججز اور دیگر عہدے داروں کو قابو میں کرنا اور رکھنا کتنا آسان ہو گا۔ نتیجتاً چھوٹے ممالک بڑے ممالک کی ایک ڈیٹا کالونی بن کے رہ جائیں گے، جنہیں قابو کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں، بلکہ ان کا ڈیٹا ہی کافی ہو گا۔

ٹیکنالوجی سے پیدا ہونے والا جو تیسرا خطرہ ہمیں درپیش ہو گا، وہ ڈیجیٹل آمریت کا ہو گا۔ ایک ایسی آمریت جس میں ہر شخص کو ہر وقت مانیٹر (monitor) کیا جا رہا ہو گا۔ اس خطرے کو ہم ایک equation سے سمجھ سکتے ہیں۔

B * C * D = A H H

Biological Knowledge * Computing Power * Data =

## Ability to Hack Human

اس equation کا مطلب یہ ہے کہ اگر کمپیوٹنگ پاور اور ڈیٹا کے ساتھ حیاتیاتی علم (Biological Knowledge) بھی شامل ہو جائے تو اس کے نتیجے میں ایک ایسا سسٹم وجود میں آ سکتا ہے جس کے ذریعے لوگوں کو ہیک کیا جا سکے گا۔ یہ سسٹم کسی بھی انسان کو خود اس انسان سے بہتر جانتا ہوگا۔ ایسا سسٹم نہ صرف انسان کے فیصلوں کی پیشین گوئی کر سکے گا، بلکہ اس کے فیصلوں پہ اثر انداز بھی ہوگا۔ اور اس سے آگے بڑھ کے انسان کی جگہ خود فیصلے بھی کرے گا۔ ماضی میں بہت سے آمروں اور حکومتوں نے یہ چاہا کہ کسی طرح وہ دوسرے انسانوں پہ قابو پا لیں، لیکن اس وقت یہ ممکن نہیں تھا۔ البتہ آج ہمارے پاس اے آئی اور بائیوٹیک (biotech) کی شکل میں وہ ٹیکنالوجیز موجود ہیں جن کے بعد یہ کام اب زیادہ دور نہیں رہا۔ مثال کے طور پہ صرف ایک Biometric Bracelet کے ذریعے آپ کا بلڈ پریشر، ہارٹ ریٹ اور دماغی سرگرمیاں معلوم کی جا سکتی ہیں۔ ذرا سوچیں، آپ ایک لیڈر کی تقریر سن رہے ہوں گے اور اس آلے کے ذریعے معلوم ہو جائے گا کہ آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسی اور اس جیسی دوسری ٹیکنالوجیز کے نتیجے میں کیسی ڈیجیٹل آمریت وجود میں آئے گی۔

یہی نہیں، انسانوں کو ہیک کرنے کی صلاحیت آخرکار انسان سے اس کی آزادی بھی چھین لے گی۔ مستقبل میں لوگ اپنے فیصلے کرنے کے لیے اے آئی پہ انحصار کریں گے جس کے نتیجے میں اختیار انسان کے پاس سے نکل کر algorithms کو منتقل ہو جائے گا۔ ہم آج بھی اس کی ایک جھلک دیکھ سکتے ہیں۔ آج بھی فیس بک کا algorithm ہمیں بتاتا ہے کہ کیا نیا ہے۔ گوگل کا algorithm ہمیں بتاتا ہے کہ کیا صحیح ہے۔ زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ ایسے اور

algorithms آنا شروع ہو جائیں گے جو ہمیں بتائیں گے کہ ہمیں کہاں نوکری کرنی ہے، کہاں شادی کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔اسی طرح یہ بھی algorithms ہی بتایا کریں گے کہ کس کو نوکری پر رکھنا ہے اور کس کو loan دینا ہے۔اس دور میں جب کسی شخص کو loan نہیں ملے گا اور وہ اس کی وجہ جاننا چاہے گا، تو ایسے تمام مواقعوں پہ اسے ایک ہی جواب ملے گا:

The Computer says, "No!"

عام طور پہ ایک فلسفی کے پاس ہمیشہ نت نئے خیالات ہوتے ہیں جبکہ سیاستدانوں کے پاس ہمیشہ ان ذرائع کی کمی رہتی ہے جن سے وہ ان خیالات کو عملی جامہ پہنا سکیں۔آج صورت حال تبدیل ہو چکی ہے۔آج مختلف ادارے اور سیاستدان ٹیکنالوجی کے ذریعے نئی دنیائیں تخلیق کر رہے ہیں، جبکہ فلسفی یہ اندازہ لگانے سے قاصر ہیں کہ اس نئی دنیا کے انسانیت پہ کیا اثرات مرتب ہوں گے۔یہ ایک انتہائی خطرناک صورت حال ہے۔آج اے آئی اور بائیوٹیکنالوجی نے انسانوں کو خدائی صلاحیتیں دے دی ہیں، جن کے ذریعے وہ انسان میں تخلیقی تبدیلیاں تک کر سکتے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم سب مل کر ان مسائل پہ غور کریں، ورنہ ممکن ہے کہ ہم تاریخ کے ایک ایسے مقام پہ جا کھڑے ہوں جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہ ہو۔

ان خطرات سے نمٹنے کے لیے ضروری ہے کہ تمام ممالک مل کر عالمی سطح پر ایک دوسرے سے تعاون کریں۔اس لیے کہ ان خطرات سے بروقت اور صحیح طریقے سے نہیں نمٹا گیا، تو ممکن ہے کہ اس کے نتیجے میں انسانیت کو ایسے حادثات کا سامنا ہو جن کے بعد انسانیت کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے۔

-----------------------

ابو یحییٰ

# دورِ جدید کا چیلنج اور مسلمان

آج سے دو ڈھائی صدی قبل دورِ جدید کے آغاز پر مسلمانوں کو جن چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا وہ کئی پہلوؤں سے ہمہ گیر تھے۔ یہ چیلنجز علمی، فکری، اخلاقی، معاشی، تہذیبی، سیاسی غرض زندگی کے کم و بیش ہر اہم پہلو سے درپیش تھے۔ مگر مسلمانوں نے ان میں سے جس چیلنج کو سب سے بڑا چیلنج سمجھا اور مسلمانوں کی بہترین اذہان، افراد، صلاحیتیں اور اوقات جس چیلنج کی طرف متوجہ ہوئے وہ سیاسی اور تہذیبی چیلنج تھا۔

اس کا پس منظر یہ تھا کہ مسلمان پچھلے بارہ سو برس سے دنیا کی سب سے غالب تہذیبی اور سیاسی قوت تھے۔ ویسے بھی کسی قوم کے دیگر اقوام پر غلبے کا عملی ظہور تہذیبی اور سیاسی محاذ ہی پر ہوتا ہے اس لیے مسلمانوں کی لیڈر شپ کے لیے انھی میدانوں میں مغلوب ہو جانا اہم ترین بن گیا۔ چنانچہ پچھلے دو سو برس میں مسلمانوں کی بیشتر مساعی اور توانائی جس میدان میں مسلمانوں کی برتری کی بحالی میں صرف ہوئی ہے وہ یہی تہذیبی اور سیاسی محاذ ہے۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کا تہذیبی یا سیاسی غلبہ دراصل اس کے فکری، علمی، اخلاقی اور معاشی غلبے کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ دو سو برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور مسلمانوں کی زبردست جدوجہد اور قربانیوں کے باوجود ہماری تہذیبی اور سیاسی مغلوبیت آج بھی قائم ہے اور صورتحال میں کسی جوہری تبدیلی کے آثار دور دور تک نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں جذباتیت کا اتنا غلبہ ہو چکا ہے کہ سر دست مسلمانوں کی فکری قیادت کو اس کی غلطی سمجھانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مگر جب ذمہ داری ادا کرنی ہو تو آسانی اور مشکل نہیں دیکھی جاتی۔ کرنے والا کام کیا جاتا ہے۔ یہ تحریر بھی اسی ضمن کی ایک کوشش ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی مدداور مسلم قیادت کی کوتاہ اندیشی

آگے بڑھنے سے قبل یہ بات بتانا بہت اہم ہے کہ پچھلی صدی کے ابتدائی حصے کے بعد جس میں مسلمان کا سیاسی زوال اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کا غیر معمولی اہتمام کیا تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کے تین اصل چیلنجز یعنی علمی، فکری، اخلاقی معاملات میں بہتری کا موقع دینے کے لیے مسلمانوں کی یہ مدد کی کہ معاشی، تہذیبی اور سیاسی طور پر ان کی مدد کرتے ہوئے ان ضمنیمگر بظاہر زیادہ اہم چیلنج سے انھیں خود ہی نکال دیا۔

اس کی عملی شکل یہ ہوئی کہ دو عظیم جنگوں کے بعد مغربی طاقتوں کے لیے یہ ممکن نہ رہ سکا کہ وہ مسلم مما لک پر اپنا فوجی قبضہ برقرار رکھ سکیں۔ بیسویں صدی کی نصف ثانی میں کم وبیش تمام مسلمان مما لک آزاد ہو چکے تھے۔ اسی طرح مڈل ایسٹ میں تیل کے وسیع ذخائر دریافت ہونے اور پوری دنیا کا انحصار تیل پر ہونے کی وجہ سے مسلمان معاشی طور پر مضبوط ہو گئے۔ خاص طور پر عرب مما لک بیسویں صدی کے نصف ثانی میں معاشی استحکام کے عروج پر پہنچ گئے۔ سیاسی اور معاشی خودمختاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل مغرب کے تہذیبی اور ثقافتی اثرات بھی محدود ہو گئے کیونکہ یہ تہذیبی اور ثقافتی اثرات براہ راست سیاسی اور معاشی غلبے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اسی عرصے میں اللہ نے مسلمانوں کی فوجی کمزوری میں ان کے تحفظ کا یہ خصوصی اہتمام کیا کہ جدید ترقی یافتہ دنیا کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوگئی۔ جس کے بعد اس تمام عرصے میں مسلمان کسی بڑی طاقت کا براہ راست نشانہ نہیں تھے۔

یہ وہ وقت تھا کہ مسلم فکری قیادت علمی، فکری اور اخلاقی میدان میں محنت کرتی۔ اس کے نتیجے میں مسلم معاشرے حقیقی بنیادوں پر طاقتور ہوتے۔ مگر بدقسمتی سے یہ نہیں ہوسکا خاص طور پر اخلاقی تربیت کا میدان تو ہم نے مکمل طور پر چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم معاشروں بالخصوص عالمِ عرب اور ہندو پاک کے مسلمانوں میں اخلاقی انحطاط اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

تاہم یہ اللہ کی مدد ہی تھی کہ ایک میدان ایسا تھا جہاں پر بھرپور زندگی جاری رہی۔ یہ علمی اور فکری میدان تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے مسلسل ایسے افراد پیدا کیے جنھوں نے تطہیر علم و فکر کا کام بڑی حد تک سرانجام دے دیا ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان کم از کم اس عظیم چیلنج سے محفوظ ہیں جو ان کی بنیادی فکری اساسات کو ہلا سکتا تھا۔

## عظیم چیلنج

یہ عظیم چیلنج مغرب کے فکری اور تہذیبی غلبے سے پیدا ہوا۔ انیسویں صدی کا مغرب الحاد اور انکار خدا پر قائل ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان تصورات کے ساتھ جب مغربی طاقتیں مسلم ممالک پر قابض ہوئیں تو مسلم اشرافیہ ان تصورات سے بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے پے در پے سائنسی علوم کے ذریعے سے کائنات کے ایسے حقائق منکشف کروائے کہ الحاد کے قدموں تلے سے علم کی زمین نکل گئی۔ اس طرح غیب پر مبنی اسلامی عقائد یعنی خدا، جنت، جہنم، فرشتے اور وحی وغیرہ پر اعتراضات کی علمی اساس ختم ہوگئی۔

البتہ ایک دوسرا چیلنج اپنی جگہ موجود تھا جو دین کی تعلیم کے ایک اور اہم پہلو پر سوالات اٹھا رہا تھا۔ ایمان و اخلاق کے علاوہ دینی تعلیم کا یہ تیسرا پہلو اسلامی شریعت کا تھا۔ دور جدید میں ایک طرف سائنسی علوم کی ترقی نے ٹیکنالوجی کے ذریعے سے تبدیلیوں کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع کیا تھا اور دوسری طرف سماجی علوم کی ترقی نے معاشرتی حوالے سے نئے قوانین، نئی اقدار، نئے تصورات اور اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو ایک نیا عرف پیدا کیا تھا۔ اس عرف میں شریعت کے نام پر موجود بہت سی چیزیں بالکل اجنبی ہوگئی تھیں۔

ایسے میں مسلمانوں کی طرف سے تین ردعمل یا نقطہ ہائے نظر سامنے آئے۔ ایک نقطہ نظر وہ تھا جس میں مغربی فکر و فلسفہ اور معیارات کو ایک مسلمہ علمی حقیقت سمجھ کر اسلام کو اس کے معیارات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم اس کو اس لیے زیر بحث نہیں لا رہے اول تو اس میں

قرآن مجید کے واضح الفاظ اور بیانات کی دور از کار تاویل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پھر یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہوا بنیادی عقائد کی تاویل کرنے تک چلا جاتا ہے جو اصلاً ہمارا موضوع نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں عام طور پر اس نقطہ نظر کو قبولیت بھی حاصل نہیں ہوئی۔

دوسرا ردعمل یا نقطہ نظر یہ تھا کہ اس جدید مغربی عرف پر زبردست تنقید کی جائے، اپنے قدیم عرف کا بھرپور دفاع کیا جائے اور اس کو پوری طرح اختیار کیا جائے۔ جبکہ تیسرا ردعمل یہ تھا کہ خود اسلامی فکر و قوانین کی تشکیل نو اسلامی اصولوں کی روشنی میں اس طرح کی جائے کہ اسلامی شریعت اور عصر حاضر کے جدید عرف میں ایک نوع کی مطابقت پیدا ہو سکے۔

پچھلی صدی میں آخری دو ردعمل میں سے پہلے نقطہ نظر کو معاشرے میں زیادہ قبولیت حاصل ہوگئی۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ مسلم عوام الناس کی غالب اکثریت میں تعلیم کم تھی اور ان کی بیشتر تعداد ابھی بھی زرعی دور کے پس منظر میں زندہ تھی۔ انھیں وہ مسئلہ پیش ہی نہیں آیا تھا جس کو حل کرنے کی کوشش دوسرے لوگ کر رہے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ آزادی ملنے کے بعد مسلم معاشرے براہ راست مغربی تہذیبی اثرات سے محفوظ ہو گئے تھے اور انفارمیشن ایج کے آغاز سے قبل دنیا اس طرح گلوبل ویلج نہیں بنی تھی جس طرح آج بنی ہے۔

جبکہ دوسرے نقطہ نظر سے زیادہ تر وہی لوگ متعلق ہوئے جو جدید دنیا سے واقف اور مغربی فکر و فلسفہ سے متعارف تھے۔ اس کی ایک مثال علامہ اقبال کے خطبات میں ملتی ہے جس میں وہ اسلامی فکر و قوانین کو دور حاضر میں متعلق کرنے کی بھرپور علمی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے بعد نمایاں ترین نام ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا ہے۔ اقبال نے جس ہدف کے حصول کے لیے اپنے خطبات میں اجتہاد کا راستہ تجویز کیا، ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اس کے لیے مقاصدِ شریعت کو معیار بنا کر نئے دور کے لیے نئے قوانین کا راستہ کھولا۔ مگر بیسویں صدی میں ان کی علمی کاوشوں کے اثرات چند علمی حلقوں تک ہی محدود رہے۔

## دونوں کاوشوں کے مسائل

ان دونوں کاوشوں میں بنیادی کمزوریاں موجود تھیں۔ پہلی کوشش میں مسئلہ یہ تھا کہ یہ اسلام کے نام پر رائج اور مسلمانوں کے فقہی ذخیرے میں موجود ہر چیز کا دفاع یہ سمجھ کر کر رہی تھی کہ وہ گویا واقعتاً اسلام کی حقیقی اور ابدی تعلیم کا حصہ ہے جبکہ حقیقتاً ایسا نہ تھا۔ نہ وہ اسلام کی ابدی تعلیمات کا حصہ تھیں اور نہ بدلتے ہوئے زمانے میں قابل عمل ہی تھیں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جن چیزوں کی حقانیت پر کتابوں کی کتابیں سیاہ کر دی گئیں تھیں، وہ بدلتی ہوئی سماجی اقدار میں ماضی کا قصہ بن گئیں۔ اس کی ایک حالیہ مثال تصویر ہے جس کی حرمت پر ہر بڑے عالم نے کلام کیا۔ مگر اکیسویں صدی کی تیسری دہائی میں کون سا عالم ہے جو تصویر نہیں کھنچواتا، عام لوگوں کا ذکر تو جانے ہی دیجیے۔ اور اس وقت صورتحال یہ ہے کہ تصویر کی حرمت کی بحث اب عملاً ختم ہو چکی ہے۔ یہی معاملہ اور کئی چیزوں کا ہے۔

اکیسویں صدی کے بدلتے ہوئے سماجی پس منظر میں اس پہلے نقطہ نظر کے پاس اب اس کے سوا کوئی چارا نہیں ہے کہ وہ بھی اسلامی احکام و تعلیم کو جدید عرف میں قابل عمل بنانے کے لیے توجیہات و تاویلات کا راستہ اختیار کرے چاہے وہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔ یہ رجحان پیدا ہو چکا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ بڑھتا چلا جائے گا۔ یہاں تک کہ یہ نقطہ نظر علمی طور پر ختم یا بہت محدود حلقے تک ہی باقی رہے گا۔

دوسرے نقطہ نظر کی کمزوری یہ تھی کہ اسلامی تعلیمات اور دور جدید کیعرف میں مطابقت کے لیے جن اصولوں کو اختیار کیا گیا، ان کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے۔

ترے خنجر کی زد شریان قیس ناتواں تک ہے

مطلب یہ کہ ان اصولوں کو اختیار کیا جائے تو شریعت کا کوئی حکم بھی اس کی زد میں آنے سے نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ وہ احکام بھی جن کو ان اصولوں کے موئدین چھیڑنا نہیں چاہتے۔ مثلاً

عبادات کے معاملے میں ان میں سے بیشتر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ وہ آج بھی پوری طرح قابل عمل ہیں۔ مگر منطق یہ کہتی ہے کہ عبادات بھی ان اصولوں کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتیں۔ اس فکر کے ایک معاصر عالم نے جب اس حوالے سے اپنا نقطہ نظر ہمارے ادارے میں ایک لیکچر میں پیش کیا تو میں نے لیکچر کے اختتام پر ان سے دریافت کیا کہ ہم اس اصول کا اطلاق عبادات پر کیوں نہیں کریں گے۔ مثلاً ہمارے جدید سماج میں فجر کی نماز خاص طور پر جب وہ گرمیوں میں آئے تو تہجد میں اٹھنے کی طرح مشکل ہو جاتی ہے۔ کیوں نہ اس کا وقت بدل کر صبح دس بجے کر دیا جائے۔ نماز صبح پانچ بجے نہ پڑھی، دس بجے پڑھ لی، اس سے کیا فرق پڑا؟ اصول اگر عبادت کا مقصد ہی پورا کرنا ہے تو عملی تقاضے کے پیش نظر اس کا وقت بدلنے میں کیا حرج ہے؟ ان کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ قربانی کے بارے میں تو ہر سال ہمارے ہاں ایک بحث پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی جگہ پیسے کسی دوسرے بہتر کام پر خرچ کر دیں۔ چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ اس حل کو اختیار کرنے کی صورت میں بات بہت دور تک جائے گی اور جیسا کہ آگے ہم واضح کریں گے کہ یہ اصول آگے بڑھ کر شریعت کے بعد نبوت پر ایمان کے بنیادی مطالبے کو بھی حضور صلی اللہ علیہ سلم کے معاصر اہل عرب تک محدود کر دیتا ہے۔

### دوسرے نقطہ نظر کی غلطی کی وجہ

جیسا کہ اوپر توجہ دلائی گئی ہے کہ پہلا نقطہ نظر تو انفارمیشن ایج ہی میں دم توڑ رہا ہے اور آنے والے دور میں جسے ہم ایج آف آٹومیشن کہتے ہیں اور جس میں دنیا مکمل طور پر بدلنے جا رہی ہے، یہ نقطہ نظر دوسرے نقطہ نظر میں ضم ہو جائے گا۔

رہا دوسرا نقطہ نظر تو گرچہ وہ بعض لوگوں کے ہاں مقبول ہو رہا ہے لیکن اس میں ایک بنیادی غلطی پائی جاتی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ وہ غلطی یہ ہے کہ اسلام کی بنیادی کتاب یعنی قرآن عرب کی سرزمین میں، عربی زبان، زرعی دور اور قبائلی سماج میں نازل ہوئی ہے، اس سے

یہ غلط نتیجہ نکالا گیا کہ اسلامی شریعت اسی زمانے کے پس منظر میں دی گئی تھی۔ چنانچہ یہ انھی کے لیے تھی۔ آج کے لوگ اس کو قرآن کا تاریخی بیان سمجھ کر اس سے مقاصد اخذ کر سکتے ہیں اور ان مقاصد کے مطابق نئی قانون سازی کر سکتے ہیں۔ چور کے ہاتھ کاٹنے سے اصل مقصود چوری کی حوصلہ شکنی تھی۔ آج اگر ہاتھ کاٹنے کو وحشیانہ عمل سمجھا جاتا ہے تو چوری کی سزا کا ضابطہ کچھ اور بنایا جا سکتا ہے جو آج کے دور میں قابل قبول ہو۔

یہ بات عقلی طور پر بہت زیادہ متاثر کن ہے، مگر جیسا کہ پیچھے بیان کیا گیا کہ اس نقطہ نظر کو قبول کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ شریعت میں سے کچھ نہیں بچے گا بلکہ شریعت کی عربوں کے ساتھ تخصیص کر کے یہ نبوت پر ایمان لانے کی شرط کو بھی عربوں کے لیے خاص کر دیتا ہے۔

چنانچہ مغرب میں رہنے والے بعض مسلمان اہل علم اسی اصول کو اختیار کر کے بہت سنگین نتائج اخذ کر رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہہ کر چونکہ قرآن مجید اصلاً عربوں کے لیے، عربی زبان میں اور عرب کے پس منظر اور سماج میں نازل ہوا چنانچہ اسلامی شریعت حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی دیگر ادیان اور بعد کے لوگوں کے لیے ضروری نہیں ہے۔

## اللہ کا خصوصی فضل

اسلام چونکہ ابدی دین ہے اور دین دینے والا کائنات بنانے کے بعد کہیں چلا نہیں گیا ہے، اس لیے اس نے دین کی حفاظت کے ساتھ یہ خصوصی اہتمام بھی کیا ہے کہ دین کی شرح و وضاحت اور تحفظ کا بھی بھرپور اہتمام کرے۔ چنانچہ جس وقت بیسویں صدی کے آغاز میں یہ چیلنج پیدا ہو رہا تھا اللہ تعالیٰ نے امام فراہی کے ذریعے سے قرآن مجید کو محور و مرکز بنا کر دین سمجھنے کی ایک روایت کا آغاز کرا دیا تھا۔

اس روایت کا بنیادی اصول یہ تھا کہ قرآن مجید خدا کی صفت کلام کا ظہور ہے۔ وہ خدا جو بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل سے واقف ہے۔ اس کے اولین مخاطبین ظاہر ہے کہ عرب کے لوگ

ہی تھے اور یہ ممکن نہ تھا کہ ان کو نظر انداز کر کے آفاقی اصول میں کچھ باتیں کہہ دی جاتیں۔ لیکن ان سے جو کچھ کہا گیا اور اس میں یہ اہتمام کیا گیا کہ معانی و مدعا کی قطعیت کے ساتھ اس کی آفاقیت بھی باقی رہے۔ اس مقصد کے لیے کلام کو منظّم کیا گیا، اسے مرتب کیا گیا اور آخر کار محفوظ کر دیا گیا۔ اس کی زبان کو زندہ رکھا گیا۔ اس زبان کا اسلوب، اس کلام کا نظم و ترتیب اور اس کا سیاق و سباق کسی بھی حکم اور بات میں کوئی ابہام نہیں چھوڑتا۔ جو چیزیں اصلاً مطلوب ہیں ان کو بار بار دہرا کر اور درجنوں طریقوں سے بیان کر کے واضح کیا گیا ہے۔

امام فراہی سے جنم لینے والی اس علمی روایت میں تدبر قرآن کے اصولوں کو اس طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ فہم قرآن میں ایک محقق عالم با آسانی اس مفہوم اور مدعا تک پہنچ جاتا ہے جو مراد ہوتا ہے۔ ان اصولوں کے مطابق قرآن کا با تدبر مطالعہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ کون سی ہدایت کس پس منظر میں دی جا رہی ہے۔ کون سا حکم مطلقاً مطلوب ہے۔ کون سی ہدایت ایک خاص صورتحال میں دی جا رہی ہے۔ کون سا حکم خاص اور کونسا عام ہے۔ ان تمام چیزوں کا فیصلہ کلام خود کرے گا۔

کبھی کلام اس کی صراحت کر دے گا۔ کبھی حکم کی علت کو کھول کر اس طرح بیان کر دیا جائے گا کہ علت خود بتا دے گی کہ حکم کسی خاص موقع محل میں دیا گیا ہے یا مطلقاً مطلوب ہے۔ کبھی حکم کی نوعیت بتا دے گی کہ یہ ابدی طور پر مطلوب ہے یا ایک خاص پس منظر کا حکم ہے اور اسی تک محدود ہے۔ کبھی سیاق کلام اور قرآن مجید کی تعلیمات کی مجموعی نوعیت اس بات کو واضح کر دے گی کہ حکم کے مخاطبین قرآن کے اولین مخاطب ہیں یا تا قیامت آنے والے مسلمان۔ طریقہ کوئی بھی ہو وہ کلام کے اندر ہی ہو گا، کلام کے خارج سے کوئی اصول متعین کر کے اپنے مطلب کا نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے۔

اسی طرح اس فکر کے آئمہ یہ واضح کرتے ہیں کہ دین کا اصل ماخذ قرآن و سنت ہے۔ یہی وہ

تنہا چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اجماع و تواتر سے دین کے طور پر منتقل کیا ہے۔ باقی دین کے ذخیرے میں موجود ہر چیز تاریخی پس منظر رکھتی ہے۔ اس کی اپنی جگہ قدر و قیمت ہے، اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ مگر وہ ابدی دین نہیں ہے۔

چنانچہ اس فکر میں بھی دور جدید کے ہر سوال کا جواب دیا جاتا ہے اور ہر عملی مسئلے کو حل کیا جاتا ہے، مگر نہ دور از کار تاویل و توجیہ کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ کلام الٰہی اور دین حق کی ابدیت پر کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو پچھلے دو نقطہ ہائے نظر سے ہٹ کر دین کی ابدیت اور حجت کو دور جدید میں بھی یقینی بناتا ہے۔

## اصل چیلنج

اس علمی چیلنج میں تو اللہ نے اپنی عنایت سے پوری طرح ہماری مدد کی ہے۔ مگر جو اصل چیلنج ہمیں درپیش ہے اور جس کے لیے تمام جدوجہد ہمیں کرنی ہے وہ ایمان و اخلاق میں ہمارے ہاں پائے جانے والے انحرافات سے نجات پا کر اس جگہ آنا ہے جہاں ہم قرآن کے وہ مطلوب انسان بن سکیں جن کی ابدی اور دنیوی فلاح کی ذمہ داری خود قرآن کریم دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی اعتبار سے ہم اس وقت ایک بڑے بحران کا شکار ہیں۔ ہم نے اس صورتحال کی اصلاح کے لیے مل کر اور اجتماعی طور پر جدوجہد نہیں کی اور اس کو اپنا سب سے بڑا مسئلہ نہیں بنایا تو آنے والے دور میں ہمارے لیے بربادی اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ ایمان و اخلاق میں پست لوگوں کا انجام یہی ہوتا ہے کہ انھیں دنیا کے سامنے نشان عبرت بنا دیا جائے۔ یہ وہ صورتحال ہے جس سے نکلنے کے لیے ہمیں بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اور یہ چند اہل علم کے کرنے کا کام نہیں بلکہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے مقام پر یہ جنگ لڑنی ہے۔

------------------

**مولانا محمد ذکوان ندوی**

## رمضان: تجدیدِ قرآن کا مہینا

ماہِ رمضان کی آمد پر عموماً لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ رمضان میں ہمارا معمول کیا ہونا چاہیے، یا ہم رمضان کا مہینا کس طرح گزاریں؟ اِس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ ذکر و عبادت کے علاوہ، رمضان کا ''معمول'' اصلاً صرف ایک ہے، اور وہ ہے خالی الذہن ہو کر قرآن مجید کی تلاوت اور اُس کا مسلسل مطالعہ۔ جو لوگ براہِ راست قرآن کے مطالب کا ادراک نہ کر سکتے ہوں، اِس مقصد کے لیے وہ تلاوت کے ساتھ اپنی معلوم اور مادری زبان میں بار بار ترجمۂ قرآن کا گہرا مطالعہ کریں، وہ ایک مرتبہ بہ غور پورے قرآن کا ترجمہ ضرور پڑھیں۔

اِس مطالعے کا مقصد قرآن کا علمی مطالعہ نہیں، بلکہ اِس کا مقصد عمومی طور پر رمضان میں صرف ایک ہونا چاہیے، اور وہ ہے تذکیر و احتساب، یعنی اپنے متعلق اِس حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کرنا کہ میرے خالق کو خود ''مجھ'' سے کیا چیز مطلوب ہے اور عملاً ''میں'' کس حد تک اُس پر قائم ہوں!

واقعات بتاتے ہیں کہ قرآن کا یہ مطالعہ ان شاء اللہ، ہمارے لیے ایک اووَرہالنگ کورس (Overhauling course) ثابت ہوگا۔ اِس طرح کا ایک ربانی تجربہ گویا اپنے آپ کو خدا کے رنگ (صِبغۃُ اللہ) میں رنگنے کی سعیِ مشکور کے ہم معنی ہے۔

علمی ذوق رکھنے والے افراد ماہِ رمضان میں اِس مطالعے کے دوران یہ کر سکتے ہیں کہ وہ نئے پیدا شدہ سوالات، یا جو چیز اُن کے ذہن کو اسٹرائک (strike) کرے، اُسے نوٹ کر لیں اور بعد میں وہ اِن سوالات پر غور و فکر اور تحقیق کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اِس طریق مطالعہ کا فائدہ یہ ہوگا کہ پورے قرآن کا اصل پیغام خود خالق کی زبان میں آپ کے دل و دماغ پر نقش ہو جائے گا۔ اِس طرح آسانی کے ساتھ ایک کتابِ ہدایت کی حیثیت سے قرآن کے ساتھ ہمارا زندہ تعلق قائم

ہوگا، ہمارے فکروعمل کی اصلاح ہوگی اور ہمارے لیے یہ ممکن ہوجائے گا کہ ہم قرآن کے زیرِسایہ اپنی زندگی کا سفر طے کرسکیں۔

رمضان کا یہ خصوصی عمل خود قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ قرآن کی سورہ البقرہ میں روزہ اور رمضان کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: 'شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ' (البقرہ۲:۱۸۵) یعنی رمضان کا مہینا ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کے لیے رہنما بنا کر اور نہایت واضح دلائل کی صورت میں، جو سرتا سر ہدایت بھی ہے اور حق و باطل کے درمیان میں فیصلہ کرنے والا بھی۔ سو تم میں سے جو شخص اِس مہینے میں موجود ہو، اُسے چاہیے کہ وہ اِس ماہ کے روزے رکھے۔

اِس آیت میں رمضان اور کلامِ الٰہی کی اہمیت سے متعلق واضح اشارہ موجود ہے۔ روزہ اور قرآن کے اِس تعلق پر غور کیجیے تو ایک اہم حقیقت سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ ذِکر و عبادت کے دوسرے مراسم کے علاوہ، رمضان کی اصل عبادت قرآن مجید سے اپنے تعلق کی تجدید ہے، یعنی تلاوت اور تدبر کے ذریعے سے خدا کی ابدی رہنمائی کو سمجھنا اور اُس کو اپنی زندگی میں پوری طرح اختیار کرلینا۔

ایسی حالت میں یہ کہنا درست ہوگا کہ رمضان کی اصل عبادت اور اُس کا سب سے بڑا ''معمول'' قرآن کی تلاوت اور اُس پر تدبر ہے، یعنی روزہ دارانہ ماحول میں ہر طرح کے انتشار (distraction) سے بچ کر قرآن مجید کو پڑھنا، اُس پر غور وفکر کرنا اور اُس سے اپنے تعلق کی تجدید کا عہد کرنا۔ یہی رمضان کا اصل 'وظیفہ' ہے اور یہی رمضان کا اصل 'معمول'۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رمضان کو اِس طرح پائیں کہ وہ اُن کے لیے قرآن سے فکری اور عملی تجدید کا مبارک مہینا بن جائے۔

-------------------

جاوید چوہدری

# انسانی تاریخ کا بہترین دور

بزرگ پرہیزگار تھے، پوری زندگی سجدے اور شکر میں گزاری، اللہ تعالیٰ کے فضل کے دروازے بھی ہمیشہ ان پر کھلے رہے۔ رزق، شہرت، عزت اور اختیارات کی فراوانی تھی لیکن پھر اچانک بینائی متاثر ہونا شروع ہوگئی، دائیں آنکھ میں دھندلاہٹ آ ئی۔ عینک بدل کر کام چلانے کی کوشش کی لیکن پھر بائیں آنکھ بھی دودھیا ہوگئی۔ ڈاکٹر نے آپریشن کا مشورہ دے دیا۔

بزرگ نے آپریشن کرا لیا، وہ اسپتال سے جانے لگے تو ڈاکٹر نے کہا آپ پٹی کھلنے تک جھک نہیں سکتے۔ بزرگ نے وجہ پوچھی ڈاکٹر نے جواب دیا، آپ جھکیں گے تو آنکھوں پر دباؤ پڑے گا، زخم کھل جائیں گے اور یوں بینائی ضائع ہو جائے گی چناں چہ آپ مکمل طور پر صحت مند ہونے سے پہلے جھکنے کی غلطی نہ کریں۔ بزرگ نے پوچھا، تو کیا میں سجدہ بھی نہیں کر سکتا؟ ڈاکٹر نے جواب دیا، ہرگز نہیں، آپ کے لیے سجدہ خطرناک ثابت ہوگا۔ بزرگ گھر چلے گئے۔

بچوں نے تین دن بعد ڈاکٹر سے رابطہ کیا اور بتایا ہمارے والد کھانا نہیں کھا رہے۔ یہ صرف پانی پیتے ہیں اور چپ چاپ لیٹ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر نے ہنس کر جواب دیا، یہ نارمل ہے، چبانے سے آنکھوں کے پٹھوں پر دباؤ پڑتا ہے، لہٰذا زیادہ تر مریض آپریشن کے تین چار دنوں تک سخت خوراک نہیں کھا پاتے، آپ انھیں لیکوڈ فوڈ دینا شروع کر دیں۔ بچوں نے والد کے گرد لیکوڈ فوڈ کا انبار لگا دیا مگر والد نے یہ غذا کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ خوراک کی کمی سے بزرگ کمزور ہوتے چلے گئے۔ وہ باتھ روم تک نہیں جا پا رہے تھے۔ بچے ڈاکٹر کو گھر لے آئے، ڈاکٹر نے زور دے کر پوچھا، چاچا جی آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہے۔ بزرگ خاموش رہے، ڈاکٹر نے دوسری بار پوچھا کیا آپ کا کھانا کھانے کو دل نہیں چاہتا۔

بزرگ نے آہستہ سے جواب دیا، میں کھانے کا شوقین ہوں، میرا بہت دل چاہتا ہے۔

ڈاکٹر نے پوچھا، آپ پھر کھا کیوں نہیں رہے۔ بزرگ نے آہستہ سے کہا، بیٹا میں جس خدا کو سجدہ نہیں کر سکتا مجھے اس کا رزق کھاتے ہوئے شرم آتی ہے، سجدہ کروں گا تو ہی کھانا کھاؤں گا۔ ڈاکٹر نے حیران ہو کر بچوں کی طرف دیکھا۔ بچوں نے بتایا، ہمارے والد جوانی سے نماز پڑھتے ہیں، اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور پھر کھانے کی چیز کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ آپ نے سجدے سے روک دیا تھا اور والد نے کھانا ترک کر دیا۔ ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

ہم سب کی آنکھوں میں بھی آنسو آنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کیا کیا نعمت نہیں بخشی! آپ صرف اپنے دور کو لے لیجیے سن 2035 تک دنیا کا شاندار ترین وقت ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس شاندار ترین وقت میں پیدا کیا، دنیا کے 90 فیصد ناممکنات ممکن ہو چکے ہیں، آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں جا سکتے ہیں، آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔ آپ ارب بلکہ کھرب پتی بن سکتے ہیں آپ کے راستے میں کوئی شخص رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گا۔ آپ کسی بھی بیماری کا شکار ہیں، اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں اس کی شفاء کا بندوبست کر دیا ہے۔ آپ دنیا کی ہر کتاب پڑھ سکتے ہیں۔ دنیا بھر کی عدالتیں بھی آپ کے لیے کھلی ہیں اور دنیا کے تمام تعلیمی اداروں کے دروازے بھی، آپ صرف یوٹیوب کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیں آپ دنیا کا ہر علم سیکھ لیں گے آج سے پچاس سال پہلے تک لوگ ملیریا، خناق، تشنج، ٹی بی، خسرہ، کالی کھانسی اور پولیو سے مر جاتے تھے ہم آج اپنے بچوں کو حفاظتی ٹیکے لگواتے ہیں اور یہ زندگی بھر کے لیے ان بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

انسان نے اپنی اوسط عمر میں بھی اضافہ کر لیا۔ دوسری جنگ عظیم تک اوسط عمر پچاس سال ہوتی تھی۔ لوگ 45 سال کی عمر میں ریٹائر ہو جاتے تھے اور ریٹائرمنٹ سے پانچ دس سال بعد انتقال کر جاتے تھے، آج دنیا کی ایوریج ایج میں اضافہ ہو چکا ہے۔ جاپان میں سو سال سے زائد

عمر کے 67 ہزار 824 لوگ موجود ہیں اور یہ چلتے پھرتے اور دوڑتے بھاگتے ہیں۔ امریکا میں مرد 90 سال اور عورتیں عموماً 92 سال زندہ رہتی ہیں۔ یورپ میں مردوں کی اوسط عمر 80 سال اور خواتین کی 84 سال ہو چکی ہے اور پاکستان میں بھی اس وقت ایک کروڑ 13 لاکھ لوگوں کی عمریں 60 سال سے زیادہ ہیں یہ تعداد کل آبادی کا ساڑھے چھ فیصد بنتی ہے۔

دنیا میں پچاس سال پہلے تک یہ ممکن نہیں ہوتا تھا لوگوں کو زبردستی فوج میں بھرتی کر کے محاذ پر بھجوا دیا جاتا تھا اور یہ وہاں سے زندہ سلامت واپس نہیں آتے تھے۔ آج پوری دنیا میں جبری فوجی بھرتی پر پابندی لگ چکی ہے۔ آج صحت، تعلیم، روزگار اور خوراک دنیا کے ہر انسان کا بنیادی حق بن چکی ہے اور دنیا کا کوئی قانون کسی شخص کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ دنیا کی نوے فیصد حکومتیں لوگوں کے ووٹوں سے بنتی ہیں اور کون کس وقت ان کا حکمران ہو گا یہ فیصلہ لوگ کرتے ہیں۔ آپ اپنی خواہش سے اپنی شہریت تک بدل سکتے ہیں، آپ جب چاہیں اپنا ملک، اپنی زبان اور اپنا کلچر بدل لیں آپ کو کوئی نہیں روکے گا۔ لوگ آج اپنی جنس تک بدل لیتے ہیں، اپنا رنگ تک تبدیل کر لیتے ہیں، اپنی نشست و برخاست اپنا وے آف تھنکنگ اور اپنا لائف اسٹائل تک بدل سکتے ہیں۔

کیا یہ مقام شکر نہیں؟ کیا ہمیں دنیا کے بہترین وقت میں موجودگی پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرنا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ اگر ہمیں دو اڑھائی سو سال پہلے پیدا کر دیتا اور ہم کسی مہلک بیماری، جنگ یا کسی درندے کا رزق بن جاتے یا پھر غلام ابن غلام ہوتے اور کسی جاگیردار کے گھوڑوں کی لید صاف کرتے کرتے مر جاتے تو ہم قدرت کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ کیا ہم اس دور ابتلاء میں اپنی پیدائش پر کوئی سوال اٹھا سکتے تھے؟ کیا ہم قدرت سے ٹکرا سکتے تھے؟ جی نہیں۔ چناں چہ ہم اگر اکیسویں صدی میں ہیں تو یہ اللہ کی خاص مہربانی، یہ اس کا خصوصی کرم ہے اور ہمیں اس کرم پر اس کا شکر ادا

کرنا چاہیے۔

ہم روز اپنی مرضی سے سوتے اور اپنی مرضی سے جاگتے ہیں، ہم نیند کے لیے دواؤں کے محتاج نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو ایک چھوٹی سی گولی ہمیں نیند کی گہری وادی میں لے جاتی ہے اور ہم پھر اس وادی سے بحفاظت واپس آ جاتے ہیں کیا یہ اللہ کا کرم نہیں اور کیا اس پر ہمارا سجدہ نہیں بنتا؟

ہم جو چاہتے ہیں، کھا لیتے ہیں اور یہ معدے اور چھوٹی اور بڑی آنت سے ہوتا ہوا باہر نکل جاتا ہے، ہمارا اپنا فضلا ہماری آنت میں جم کر ہمارا جسم گلانا شروع نہیں کرتا۔ ہم جو چاہتے ہیں پی لیتے ہیں اور ہمارے گردے ہماری بے احتیاطی ہماری حماقت کو فلٹر کر کے باہر نکال دیتے ہیں، یہ اسے ہمارے خون ہمارے جسم میں نہیں رہنے دیتے۔ ہم بارہ سو کیمیکل میں زندگی گزار دیتے ہیں اور ہماری ناک ہمارے پھیپھڑے ان کیمیکلز کو جسم سے خارج کرتے رہتے ہیں۔ یہ انھیں ہمیں نقصان نہیں پہنچانے دیتے۔ ہماری پلکیں ہوا میں تیرتے کچرے کو صاف کرتی رہتی ہیں۔ ہمارے کانوں کی میل کیڑوں، مکھیوں اور مچھروں کو ہمارے دماغ سے دور رکھتی ہے۔ ہماری ناک کے غدود پلوشن کو جسم میں داخل نہیں ہونے دیتے۔ ہماری زبان سات ذائقے چکھ لیتی ہے۔ ہماری ناک خوشبوؤں کے دس پیٹرن محسوس کر لیتی ہے۔

ہم جس چیز کو چھونا چاہتے ہیں چھو لیتے ہیں، ہم جو آواز سننا چاہتے ہیں سن لیتے ہیں، ہم میں گرم اور ٹھنڈے دونوں احساس ابھی تک زندہ ہیں، ہم بول بھی سکتے ہیں، ہم اپنی بات بھی سمجھا سکتے ہیں، ہم اپنے اللہ کو بھی یاد کر سکتے ہیں اور ہم اچھے اور برے کی تمیز بھی کر سکتے ہیں تو پھر ہمیں مزید کیا چاہیے؟ ہمیں اپنے اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے مزید کون سی نعمت مزید کون سا کرم چاہیے؟

میرے ایک ارب پتی دوست ہیں۔ یہ پراسٹیٹ کینسر میں مبتلا ہوئے، آپریشن ہوا اور ان کا

پیشاب کنٹرول کرنے کا سسٹم خراب ہو گیا۔ یہ اب اپنا پیشاب کنٹرول نہیں کر سکتے۔ یہ پیمپر لگا کر سارا دن گھر میں بیٹھے رہتے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا تو یہ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ میں نے تسلی دی تو یہ آنسو صاف کر کے بولے، میں بیماری کی وجہ سے نہیں رو رہا۔ میں اس لیے رو رہا ہوں اللہ نے مجھ سے سجدے کی توفیق بھی واپس لے لی۔

میں اب نماز پڑھ سکتا ہوں اور نہ عمرہ اور حج کر سکتا ہوں۔ میں یہ سن کر کانپ اٹھا اور آسمان کی طرف دیکھ کر عرض کیا، یا باری تعالیٰ تیرا کتنا کرم ہے تم نے ہمیں سجدوں کی توفیق عطا کر رکھی ہے، ہم جب چاہتے ہیں تیری بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو سجدے کی لذت سے محروم ہیں۔ میں نے ایک دن فٹ پاتھ پر ایک بھکاری کو دیکھا وہ دو اینٹیں جوڑ کر بیٹھا تھا اور بار بار کہتا تھا، یا باری تعالیٰ تیرا کتنا کرم کتنا رحم ہے، میرا وقت صرف میرا ہے میں کسی کا غلام کسی کا نوکر نہیں ہوں۔ میں اس کے پاس رک گیا۔

جیب سے پچاس روپے نکال کر اس کے گتے پر رکھ دیے اور پوچھا، مجھے تمہارے شکر کی سمجھ نہیں آئی۔ وہ ہنس کر بولا، میں ہر وقت مصروف لوگوں کو دائیں بائیں سے گزرتے دیکھتا ہوں، یہ لوگ رزق کے غلام ہیں، یہ رزق کے لیے اپنی زندگی تک گروی رکھ چکے ہیں جب کہ اللہ نے مجھے اس دکھ سے رہائی دے رکھی ہے، میرا وقت صرف میرا ہے۔ میں جہاں چاہتا ہوں بیٹھ جاتا ہوں اور تمہارے جیسا کوئی نہ کوئی شخص میرے حصے کا رزق مجھے دے جاتا ہے۔ میں اپنے اللہ کا شکر کیوں نہ ادا کروں۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے سوچا، میں کتنا بدبخت ہوں مجھے شکر کی اتنی توفیق بھی نہیں۔ آپ بھی سوچیں آپ کو بھی احساس ہو جائے گا ہم کتنے بدبخت ہیں؟ ہم اس کا کھاتے ہیں مگر شکر کے لیے اسے سجدہ نہیں کرتے۔

---------------------

شفقت علی

# Mindfulness

خوشگوار زندگی گزارنا اصل میں ایک فن (art) ہے۔ سچ پوچھیں تو یہ دنیا کا سب سے بڑا فن ہے۔ یہ فن کچھ اہم اصول اور اندازِ فکر اپنانے سے آتا ہے۔ ان سب میں Mindfulness ایک ایسا اندازِ فکر ہے جو خوشگوار زندگی گزارنے کے لیے شاید سب سے اہم ہے۔

مائنڈفلنیس کیا ہے؟ مائنڈفلنیس کا مطلب ہے حال میں حاضر رہنا یا اپنے حال میں خوش رہنا۔ یعنی گزرے ہوئے کل اور آنے والے کل کی بجائے آج میں جینا۔ لیکن آج میں جینے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ماضی کی غلطیوں سے لاعلم ہو کر پھر وہی غلطیاں دہرائیں یا مستقبل کی بہتری سے بے نیاز ہو جائیں۔ بلکہ اس کا مطلب ہے کہ ہم اِن دو زمانوں کے متعلق مثبت رویہ اپنائیں۔ یعنی ماضی کی غلطیوں پر پچھتانے کے بجائے اُن سے سبق سیکھیں اور مستقبل کی بہتری کے لیے محنت اور دعا کریں اور نتائج اللہ پر چھوڑ دیں۔

مائنڈفلنیس کے حصول کے لیے کچھ خاص ذہنی مشقیں (Mental Exercises) کی جاتی ہیں۔ یہ مشقیں ہمیں سکھاتی ہیں کہ ماضی کے ملال اور مستقبل کے خوف سے آزاد ہو کر کیسے اپنا دھیان موجودہ حالات یا کام پر لگایا جا سکتا ہے۔ کس طرح ہم منتشر خیالی، ذہنی اُلجھن اور تھکاوٹ سے بچتے ہوئے اپنے وقت، انرجی اور صلاحیتوں کا بہترین استعمال کر سکتے ہیں۔

مائنڈفلنیس کی مشقیں نہ صرف نفسیاتی بیماریوں جیسے ڈپریشن، اینگزائیٹی، اگریشن اور فوبیاز کے علاج میں مفید ہیں بلکہ جسمانی بیماریوں جیسے ہائی بلڈ پریشر، تیزابیت اور شوگر لیول کو بھی کنٹرول کرتی ہیں۔ اِن سب سے بڑھ کر یہ ہماری روحانی بیماریوں مثلاً ناشکری، مایوسی، حسد، بے صبری اور بے یقینی کو بھی دور کرتی ہیں جو اصل میں نفسیاتی و جسمانی بیماریوں کی بنیاد بنتی ہیں۔ دعا ہے اللہ ہمیں ہر حال میں خوش رکھے اور تمام روحانی، نفسیاتی اور جسمانی بیماریوں سے بچائے۔ (آمین)

ڈاکٹر شہزاد سلیم/عظمیٰ عنبرین

# دوسرے ہم سے بہتر ہیں

اگر کوئی شخص اس احساس میں زندہ رہنا شروع کردے کہ دوسرے ہم سے بہتر ہیں تو لازمی طور پر اس کی زندگی میں انقلابی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔

خواہ کوئی دوست ہو یا دشمن، مرد ہو یا عورت، کسی نہ کسی خوبی سے ضرور مالا مال ہوتا ہے۔ ہمیں اسی خوبی پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ اس سے کچھ نہ کچھ سیکھ سکیں۔ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اپنی کمزوریوں کو دور کر کے خود کو بہتر بنانے کے لیے ہمیں آس پاس موجود دیگر انسانوں سے کچھ نہ کچھ سیکھتے رہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہم میں یہ خوبی پیدا ہو جائے تو یہ جذبہ حسد کا بھی بہترین تریاق ہے۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے آس پاس موجود اپنے سے بہتر لوگوں پر محض رشک محسوس کریں، ہمیں ان کی خوبیوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس اصول کو لازم سمجھ کر جب ہم خود پر لاگو کر لیں گے تو اپنی زندگیوں کو بہتر سے بہتر بنا سکیں گے۔

---

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال کا دارومدار صرف نیت پر ہے اور آدمی کو وہی کچھ ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی۔ (مثلاً) جس نے اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کی ہوگی، واقعی اس کی ہجرت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت دنیا کے لیے یا عورت کے لیے ہی شمار ہوگی۔ (متفق علیہ)

ابویحییٰ

# مضامین قرآن (69)

## اخلاقی طور پر مطلوب و غیر مطلوب رویے: فواحش اور حفظ فروج

اخلاقی مطالبات کے ضمن میں ہم قرآن مجید میں بیان کردہ جامع اصطلاحات کا مطالعہ کررہے ہیں۔ ان میں سے ایک بہت اہم اصطلاح فواحش ہے جس سے پرہیز کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے۔ اس سلبی حکم کو قرآن مجید نے حفظ فروج کی مثبت اصطلاح کے استعمال سے مزید موکد کیا ہے اور اسے مومن مرد اور عورتوں کے ایک اعلیٰ ایمانی وصف کے طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کے عمومی اخلاقی احکام عام طور پر خدا یا بندوں کے ساتھ درست تعلق کی اساسات کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن حفظ فروج خاص مرد و زن کے خاص تعلق کے پس منظر میں بیان کی گئی ایک اعلیٰ اخلاقی قدر ہے جو نہ صرف ایک پاکیزہ معاشرت کو جنم دیتی ہے، بلکہ اس خاندانی نظام کی بقا اور استحکام کی ضامن ہے جس پر پوری انسانی معاشرت موقوف ہے۔ ذیل میں ہم پہلے فواحش سے اجتناب کے حکم کی وضاحت کریں گے اور پھر حفظ فروج کی اصطلاح کی تفصیل کریں گے۔

### فواحش سے پرہیز

جنس ایک بنیادی انسانی جبلت ہے۔ یہ جبلت جب میاں بیوی کے درمیان نکاح کی مستقل اور علانیہ رفاقت کی شکل میں اپنی تسکین کرتی ہے تو معاشرے میں خیر کا باعث بنتی ہے۔ اس کے نتیجے میں اولاد اور پھر خاندان کا ادارہ وجود میں آتا ہے۔ یہی وہ خاندان ہے جو معصوم بچوں کی جنم بھومی، ان کی تربیت گاہ اور بلوغت کی عمر کو پہنچنے تک ان کی تمام ضروریات کی فراہمی کا

ضامن ہوتا ہے۔ یہی وہ ادارہ ہے جو انسانی زندگی کے دوسرے دورِ ناتوانی یعنی بڑھاپے میں ہمیشہ سے اس کی جائے پناہ رہا ہے۔ یہ خاندان ہی ہے جو بزرگوں کی موت تک ان کی تمام ذمہ داریوں کو اٹھاتا ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں انسانی معاشروں نے ہر دور میں میاں بیوی کے تعلق سے باہر جنسی جبلت کی تسکین کی ہر کوشش کی حوصلہ شکنی ہے۔ اسے بے راہ روی، بے حیائی اور بدکاری سے تعبیر کر کے اسے ہمیشہ ایک برا عمل سمجھا ہے۔ قرآن مجید نے انسانی معاشروں میں پائے جانے والے جنسی بے راہ روی کے اس تصور کو اٹھایا اور اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ یہ شیطان کی تعلیم ہے جس کا خدا کی عطا کردہ تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں چاہے اسے مذہب کے نام پر اختیار کیا جائے۔ پروردگار عالم نے جو بنیادی عبادت یعنی نماز فرض کی ہے، اس کا تو ایک اہم وصف یہی ہے کہ وہ انسان کو ہر برائی اور جنسی بے راہ روی کی طرف بڑھنے سے روکتی ہے۔

قرآن مجید کے استعمال کردہ لفظ الفحشاء کے اندر یہ بات پوشیدہ ہے کہ جنسی بے راہ روی کے اس راستے کی قباحت بہت شدید بھی ہے اور انسانوں کے لیے معلوم و معروف بھی ہے۔ قرآن مجید نے بعض مقامات مثلاً (الاسراء 32:17) میں زنا کے قریب جانے سے روکتے ہوئے بطور علت اس کا فاحشۃ ہونا بیان کیا ہے جس سے یہ بات واضح ہے کہ اس کا بے حیائی اور برائی ہونا ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ قرآن مجید نے زنا سے روکتے ہوئے فاحشۃ ہی لفظ استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس کی جمع یعنی فواحش استعمال کر کے اس بات کو واضح کیا ہے کہ زنا کے علاوہ بھی جنسی بے راہ روی کا دیگر ہر راستہ مثلاً ہم جنس پرستی ہو، جانوروں کے ساتھ بدفعلی وغیرہ سب ناجائز و حرام ہیں۔ قرآن نے ان چیزوں کی ممانعت میں لا تقربوا یعنی قریب نہ جاؤ کے الفاظ استعمال کر کے یہ واضح کیا ہے کہ ان سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ ان چیزوں سے بھی بچا

جائے جو زنا میں مبتلا کر سکتی ہوں کیونکہ جنسی بے راہ روی ایک مقناطیس کی طرح کام کرتی ہے۔ ایک دفعہ کوئی اس کی کشش کے دائرے میں داخل ہو جائے تو پھر یہ خود بخود اسے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

فواحش سے اجتناب کے ضمن میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ انسان کو کھلے اور چھپے ہر فواحش سے بچنا ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے ضروری ہے کہ عام انسانی معاشروں میں زنا کا علانیہ ارتکاب کرنے والے کم ہی لوگ ہوتے ہیں کیونکہ اسے ایک بری چیز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن زمانے کی نگاہ سے چھپ کر زنا کرنا اور خفیہ مراسم کی شکل میں بدکاری کو اختیار کرنا نسبتاً ایک آسان اور محفوظ راستہ ہے۔ چنانچہ فواحش کی ان دونوں شکلوں کو یکساں طور پر حرام کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی مرد یا عورت خفیہ طور پر کسی جنسی تعلق یا علانیہ بدکاری کے معاملے میں ملوث ہوں تو پاکدامن لوگوں کو ایسے بدکاروں سے نکاح سے پرہیز کرنا چاہیے۔

### حفظ فروج

فواحش سے اجتناب کے حکم کے ساتھ قرآن مجید میں حفظ فروج کا ایک تصور دیا گیا ہے جو انسان کو زنا سے بچا کر عفت و پاکدامنی کی زندگی گزارنے میں مدد دیتا ہے۔ حفظ فروج کا لفظی مطلب تو شرمگاہوں کی حفاظت ہے، مگر قرآن مجید نے اس ترکیب کو جس طرح استعمال کیا ہے وہ نہ صرف خود اپنے آپ کے زنا سے بچانے کے مفہوم کو بیان کرتی ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر وہ کسی انسان کے سامنے اپنی صنفی خصوصیات کو نمایاں کرنے کے بجائے نوع انسانی کے ایک فرد کے طور پر پیش کرنے کے تصور پر بھی دلالت کرتی ہے۔ یہ گویا انسان کے اس کردار کا بھی بیان ہے جس میں انسان خود کو زنا اور اس کے داعیات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور ساتھ میں انسان صنف مخالف کے لیے ایک آزمائش کی صورتحال پیدا کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہے۔

انسان کا معاملہ یہ ہے کہ عام طور پر ہر مرد وعورت نہ صرف صنف مخالف میں کشش محسوس کرتا ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ جسمانی خدوخال کی بنا پر دوسروں کے لیے باعث کشش بھی ہوتا ہے۔ایسے میں حفظ فروج کا قرآنی تصور ہمیں بتاتا ہے کہ اہل ایمان میاں بیوی کے جائز تعلق کے سوا کسی ناجائز راستے سے اپنی جنسی تسکین نہیں کرتے۔کسی مقام پر دونوں اصناف کا سامنا ہو تو ایسے لباس کا اہتمام کیا جائے جو جنسی کشش کو ڈھانپ دینے والا ہونا چاہیے۔خواتین کا زیب و زینت اختیار کرنا صنف مخالف کے ذوق جمال اور اِن کے سینے کے ابھار اُن کے جنسی جذبات کے لیے اپیل رکھتا ہے۔عرب کی معاشرت میں خواتین کے لباس کے گریبان بھی کھلے ہوتے تھے، اس لیے قرآن نے اجنبی مردوں کے سامنے خواتین کو زینتیں چھپا کر رکھنے اور گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں پھیلانے کا حکم بھی دیا ہے۔مخفی زیورات کی آواز بھی نمایاں کرنے سے انھیں روکا گیا ہے۔اس حکم میں البتہ عادتاً کھلے رہنے والا اعضا جیسے ہاتھ، منہ وغیرہ مستثنیٰ ہیں جن کی زینتیں رفع حرج کے اصول پر ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔جبکہ نکاح کی عمر سے گزر جانے والی بزرگ خواتین جن کی جنسی کشش ختم ہو چکی ہوتی ہے ان کو سینے کو اضافی کپڑے سے چھپانے کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔تاہم اگر انھوں نے زیورات پہن کر اپنی نمائش کر رکھی ہو پھر یہ اجازت نہیں ہے۔

قرآن مجید نے حفظ فروج کو مومن مرد اور عورتوں کے ایک مستقل اور اعلیٰ دینی وصف کے طور پر بیان کیا ہے۔دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مرد وزن کے اختلاط اور لباس کے معاملے میں انسانی معاشرت حالات، زمانے، جغرافیے، آب و ہوا، ثقافت اور رسوم و عادات کی بنا پر بہت کچھ بدل سکتی ہے، اس لیے جو اصولی بات قرآنی بیانات سے حفظ فروج کے حوالے سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسے کردار کا بیان ہے جو صنف مخالف کی کشش کے باوجود

زنا کے راستے پر قدم نہیں رکھتا دوسری طرف وہ اپنی جمالیاتی یا جسمانی کشش کو بھی صنف مخالف کے سامنے نمایاں کرنے سے رکتا ہے۔ اس میں سب سے اہم ذریعہ انسان کی بے لباسی، کم لباسی یا لباس کو اس طرح پہننا ہے کہ اس کی تنگی یا باریکی صنفی کشش کو پوری طرح نمایاں کر دے۔ اس کے علاوہ بھی کسی اور طریقے سے جنسی طور پر لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا، ان کی طرف مائل ہونا یا ان کی پیش قدمی کی حوصلہ افزائی کرنا وغیرہ سب وہ رویے ہیں جو حفظ فروج کے خلاف ہیں۔ سیدہ مریم کو اسی پاکدامنی کے ایک نمونے کے طور پر پیش کیا گیا ہے جن کے امتحان کے لیے ایک فرشتہ ایک بھرپور مرد کی شکل میں ان کے سامنے آیا مگر انھوں نے جوانی کی پکار کو سننے کے بجائے خدائے رحمٰن کی پناہ لی۔ اسی طرح سیدنا یوسف کے واقعے میں یہ واضح کیا ہے کہ جو بندہ دوسرے کی پیش قدمی اور ڈگمگا دینے والے حالات کے باوجود اپنے جذبات کے بجائے خدا کی برہان اور فطرت کی آواز پر لبیک کہتا ہے، خدا آگے بڑھ کر اسے اس برائی سے بچا لیتا ہے۔

## قرآنی بیانات

''شیطان تمھیں تنگ دستی سے ڈراتا اور (خرچ کے لیے) بے حیائی کی راہ سجھاتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے تمھارے ساتھ مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے۔''، (البقرہ 268:2)

''یہ لوگ جب کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم نے اپنے باپ دادا کو اِسی طریقے پر پایا ہے اور خدا نے ہمیں اِسی کا حکم دیا ہے۔ اِن سے کہو، اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر افترا کر کے ایسی باتیں کہتے ہو جنھیں تم نہیں جانتے؟''، (الاعراف 28:7)

''بے شک، اللہ (اِس میں) عدل اور احسان اور قرابت مندوں کو دیتے رہنے کی ہدایت کرتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔''، (النحل 90:16)

''اُس کتاب کو پڑھتے رہو جو تمھاری طرف وحی کی گئی ہے اور نماز کا اہتمام رکھو۔ کچھ شک نہیں

کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ (یہ اللہ کی یاد ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یاد بڑی چیز ہے۔ (تم اُس پر بھروسا رکھو، اِس لیے کہ) اللہ جانتا ہے جو کچھ تم لوگ کرتے ہو۔''،(العنکبوت29 :45)

''اِسی طرح لوط کو رسول بنا کر بھیجا، جب اُس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ کھلی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہو۔تم سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے (اِس ڈھٹائی کے ساتھ اور اِس طرح قومی حیثیت میں) اِس کا ارتکاب نہیں کیا۔''،(العنکبوت29 :28)

''اور فواحش کے قریب نہ جاؤ،خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے۔اور کسی جان کو، جسے اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے، ناحق قتل نہ کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تمھیں ہدایت کی ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔''،(الانعام6 :151)

''(اے پیغمبر)، اپنے ماننے والوں کو ہدایت کرو کہ (اِن گھروں میں عورتیں ہوں تو) اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔اِس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اُس سے خوب واقف ہے۔

اور ماننے والی عورتوں کو ہدایت کرو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں،سوائے اُن کے جو اُن میں سے کھلی ہوتی ہیں اور اِس کے لیے اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔اور اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں،مگر اپنے شوہروں کے سامنے یا اپنے باپ، اپنے شوہروں کے باپ، اپنے بیٹوں، اپنے شوہروں کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھائیوں کے بیٹوں، اپنی بہنوں کے بیٹوں، اپنے میل جول کی عورتوں اور اپنے غلاموں کے سامنے یا اُن زیردست مردوں کے سامنے جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یا اُن بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے۔اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت معلوم ہو جائے۔ایمان والو، (اب تک کی غلطیوں پر) سب مل کر اللہ سے رجوع کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''،(النور24 :31-30)

''اور بڑی بوڑھی عورتیں جو اب نکاح کی امید نہیں رکھتی ہیں، وہ اگر اپنے دوپٹے گریبانوں سے اتار دیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ زینت کی نمایش کرنے والی نہ ہوں۔تاہم وہ بھی

احتیاط کریں تو اُن کے لیے بہتر ہے اور اللہ سمیع و علیم ہے۔''،(النور 24 :60)

''اور اپنے آپ کو اُن سے پردے میں کر لیا تھا۔ پھر ہم نے اُس کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا اور وہ اُس کے سامنے ایک پورے آدمی کی صورت میں نمودار ہو گیا۔

مریم (نے اُسے دیکھا تو) بول اٹھی کہ میں تم سے خداے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں، اگر تم اُس سے ڈرنے والے ہو۔''،(مریم 19 :18-17)

''اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال پیش کرتا ہے جس نے اپنا دامن پاک رکھا۔ پھر ہم نے اُس کے اندر اپنی طرف سے روح پھونک دی، اور اُس نے اپنے پروردگار کے ارشادات اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں بردار لوگوں میں سے تھی۔''،(التحریم 12:66)

''حقیقت یہ ہے کہ اُس عورت نے تو یوسف کا ارادہ کر ہی لیا تھا، وہ بھی اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتا تو اُس کا ارادہ کر لیتا۔ اِسی طرح ہوا تاکہ ہم اُس سے برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں، اِس میں شبہ نہیں کہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھا۔''،(یوسف 24:12)

''اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''،(المومنون 5:23)

''حقیقت یہ ہے کہ جو مرد اور جو عورتیں مسلمان ہیں، مومن ہیں، بندگی کرنے والے ہیں، سچے ہیں، صبر کرنے والے ہیں، اللہ کے آگے جھک کر رہنے والے ہیں، خیرات کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرنے والے ہیں، اللہ نے اُن کے لیے بھی مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔''،(الاحزاب 35:33)

''اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی کے نکاح میں ہوں، الّا یہ کہ وہ تمھاری ملکیت میں آجائیں۔ یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کی گئی ہے۔ اور اِن کے ماسوا جو عورتیں ہیں، (اُن کا مہر ادا کر کے) اپنے مال کے ذریعے سے اُنھیں حاصل کرنا تمھارے لیے حلال ہے، اِس شرط کے ساتھ کہ تم پاک دامن رہنے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنے والے۔ پھر (اِس سے پہلے اگر مہر ادا نہیں کیا ہے تو) جو فائدہ اُن سے اٹھایا ہے، اُس کے صلے میں اُن کا مہر اُنھیں ادا کرو، ایک فرض کے طور پر۔ مہر ٹھیرانے کے بعد، البتہ آپس کی رضامندی سے جو کچھ طے کر لو تو اُس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک، اللہ علیم و حکیم ہے۔

مبشر نذیر

# ترکی کا سفرنامہ (71)

آیا صوفیہ کی عمارت بڑی پر شکوہ ہے۔ یہ بازنطینی اور عثمانی آرکی ٹیکچر کا شاہکار ہے۔ گرجا کی اصل عمارت کو برقرار رکھتے ہوئے مسلمانوں نے اس کے گرد مینار تعمیر کیے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک محراب اور منبر کا اضافہ کیا ہے۔ گرجا کے گنبدوں میں اب بھی سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی تصاویر موجود ہیں۔ اس کے دوسرے فلور پر بازنطینی دور کے موزائک آرٹ کے نمونے بھی موجود ہیں جن میں باریک باریک پتھروں کی مدد سے تصاویر بنائی گئی ہیں۔ اس موزائک آرٹ کی تفصیل میں اپنے سفرنامے "قرآن اور بائبل کے دیس میں" کے باب "مادبہ" میں پیش کر چکا ہوں۔

## توپ کاپی محل

آیا صوفیہ کی سائیڈ سے گزر کر ہم توپ کاپی محل کی جانب بڑھے۔ اینٹوں کی بنی ہوئی گلی میں چلتے چلتے ہم محل کے صدر دروازے پر جا پہنچے۔ ہمارے سامنے ایک بہت بڑا گیٹ تھا جس کے دونوں جانب ایک بہت ہی موٹی دیوار جا رہی تھی۔ یہ سلطنت عثمانیہ کا مرکز تھا جسے اب میوزیم بنا دیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح کے دوران رومی بادشاہ کا محل تباہ ہو گیا تھا، اس لئے سلطان محمد فاتح نے یہاں اپنے لئے محل تعمیر کروایا۔

محل کے دروازے میں داخل ہوئے تو دونوں جانب بندوقیں تھامے سپاہی بت بنے کھڑے تھے۔ یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ حقیقی انسان ہیں یا مومی اسٹیچو۔ ہم مسلسل انہیں دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر میں ایک سپاہی سے رہا نہ گیا اور اس نے پلکیں جھپکا ہی لیں۔ معلوم ہوا کہ حقیقی انسان ہیں۔ دروازے کے اندر ایک بہت بڑا لان تھا۔ اس کے ایک جانب محل کی مسجد بنی ہوئی تھی۔ محل کے دروازوں پر عربی و فارسی میں بہت سے اشعار لکھے ہوئے تھے جن میں سلاطین کی خوشامد سے لے کر ان کے دشمنوں کی تباہی و بربادی کی دعائیں تک درج تھیں۔ ایک شعر میں تو بادشاہ کے دشمنوں کو باقاعدہ گالیاں اور کوسنے دیے گئے تھے۔ کچھ اشعار پیش خدمت ہیں:

حضرت سلطان محمود ابن خان عبدالحمید۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اشقیا مردود بابندن حرامی نابدید

جناب حضرت سلطان احمد خان ثالث کیم۔۔۔۔۔۔۔۔سپہر سلطنت دہ ذات پا کی آفتاب نور
شہ تخت سعادت غازی صاحب کرامت دار۔۔۔۔۔۔ولی پاک خصلت علم وحلم ولطف لہ مشہور

اس سے بادشاہوں کے گرد موجود مفاد پرست حلقے کی چمچہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔یقیناً یہی وہ طبقہ تھا جوان کے زوال کا باعث بنا تھا۔

لان کے دوسرے سرے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں تک تو معاملہ فری تھا۔اب آگے جانے کے لئے ٹکٹ لینا ہوگی۔ٹکٹ لے کر اگلا دروازہ پار کیا تو ہم ایک اور لان میں تھے۔لان کے چاروں جانب کمرے بنے ہوئے تھے۔ان میں سے ہر کمرے کو نوادرات کی ایک خاص قسم کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ایک کمرے میں سلاطین کے بستر تھے۔دوسرے کمرے میں ان کے برتن، تیسرے میں ان کی انگوٹھیاں، چوتھے میں ان کے جوتے، پانچویں میں ان کی تلواریں، چھٹے میں ان کے کپڑے، ساتویں میں ان کی تصاویر، آٹھویں میں ان کے قالین اور اسی طرح اور بہت سے کمروں میں نجانے کیا الا بلا بھرا پڑا تھا۔

میری اہلیہ کو بادشاہوں کے زرق برق گھاگرے اور فراک بہت پسند آئے۔انہیں اس بات کی حیرت ہوئی کہ یہ لباس ان کے مرد پہنا کرتے تھے۔آج کل اس قسم کے لباس ہمارے ہاں صوبہ سرحد کے دیہات کی پٹھان خواتین پہنتی ہیں۔بادشاہوں کی تصاویر بھی خوب تھیں۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کسی بچے نے بھدی سی پینٹنگز بنائی ہوں۔ایک تصویر میں کسی سلطان کا پورٹریٹ بنایا گیا ہوا تھا۔میں نے آج تک اتنا مسکین صورت بادشاہ نہیں دیکھا۔اونچی ٹوپی میں وہ بادشاہ سلامت کی بجائے کسی فائیو اسٹار ہوٹل کے شیف معلوم ہو رہے تھے۔مجھے یقین ہے کہ یہ تصویر ان کی وفات کے بعد ہی بنائی گئی ہوگی ورنہ اگر ان کے سامنے یہ تصویر پیش کی جاتی تو وہ مصور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کر دیتے۔

بادشاہوں کی ہر چیز میں ہیرے جواہرات کا بے دریغ استعمال کیا گیا تھا۔اور تو اور تلواروں اور خنجروں پر بھی ہیرے جواہرات لگائے گئے تھے۔ایک تلوار پر ہزار کے قریب ہیرے جڑے تھے۔تارڑ صاحب کے دوست علی کے بقول اس تلوار سے تو سلطان صاحب بادام ہی توڑتے ہوں گے، آدمی تو مرنے سے رہا۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

# غزل

میرا دل پارہ پارہ ہو رہا ہے
مگر پھر بھی گزارا ہو رہا ہے

چھپا تھا راز جو دل میں ابھی تک
وہ شاید آشکارا ہو رہا ہے

کوئی دیتا یہاں پر ساتھ کب تک
خدا کا بس سہارا ہو رہا ہے

رہِ ہستی مسلسل ہے سفر میں
منظّم کام سارا ہو رہا ہے

پسِ پردہ ہدایت کار جو ہیں
اُن آنکھوں کا اشارہ ہو رہا ہے

کوئی چھپتا نہیں ہے اس نظر میں
مسلسل اک نظارہ ہو رہا ہے

عجب سی روشنی ہے چار جانب
یہ دل میرا ستارہ ہو رہا ہے

خدا کا خوف جیسے جا چکا ہے
جہاں میں کیا خدارا ہو رہا ہے

نہیں چلتا ہے اس پہ زور کوئی
یہ دل جب سے تمہارا ہو رہا ہے

قناعت کا لبادہ جب سے اوڑھا
حناؔ اپنا گزارا ہو رہا ہے

## ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

---------------------

### جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

---------------------

### قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

---------------------

### آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

---------------------

### خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

---------------------

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya

online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines

at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or

0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

ماہنامہ

# اِنذار

فون: 0332-3051201 , 0312-2099389

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.org

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروی ہے۔

| سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں | |
|---|---|
| Easy Paisa | Muhammad Shafiq<br>0334-3799503<br>CNIC # 42201-8355292-9 |
| Money Order | Monthly Inzaar<br>4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi |
| Account | Title of Account: Monthly Inzaar<br>A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi. |

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تا کہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جا سکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0332-3051201 , 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے

3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے یہ رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR

APR 2020
Vol. 08, No. 03
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,
25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi